

URDU Gif Format

چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف
اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب

الصافیۃ الموحیۃ لحکم جلود الاضحیۃ

۱۳۰۷ھ

مصنف:

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK
اعلیحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

الصافية المُوجِبَة لحُكم جلود الاضحيّة

(چرمہائے قربانی کے حکم کی طرف اشارہ کرنیوالی صاف ستھری کتاب)

مسئلہ ۲۹۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم ما قولکم دام فضلکم فیمن باع جلد اضحیتہ لیصرف ثمنہ فی وجوہ القرب کاعانۃ المدارس الاسلامیۃ و شراء حصر المساجد و زیت قنادیلہ وغیر ذلک من القربات التی لا تملیک فیھا ، فھل ھو جائز ، والصرف الی تلک الوجوہ سائغ ام لا ، بل یکون صدقۃ واجبۃ لا یصرف الا فی مصارفھا افیدونا رحمکم اللہ تعالیٰ ۔

الجواب الحمد للہ وبہ نستعین ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد و آلہ و صحبہ اجمعین ، ما تقرب

خلاصۃ الصافیۃ الموجبۃ لحکم جلود الاضحیۃ

مسئلہ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ قربانی کی کھال کو راہ ثواب میں خرچ کرنے کیلئے بیچنا جیسے مدارس اسلامیہ کی اعانت، مسجد کیلئے چٹائی ، روشنی وغیرہ کا ثواب جس میں کسی خاص فقیر کو مالک نہیں بناتے ، جائز ہے یا ناجائز ؟ اور ایسا پیسہ ان مصارف میں صرف ہو سکتا ہے یا وہ صدقہ واجبہ ہے اور اس کا فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے ۔ بینوا توجروا ۔

جواب اللہ تعالیٰ کے لئے تعریف ہے اور ہم اسی سے مدد مانگتے ہیں ، درود وسلام سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل واصحاب پر ،

الی اللہ تعالیٰ بالقرابین، نعم اذا باعہ بالدراھم لالمال یتمول، او ربح یتحصل، بل لیصرفہ الیٰ وجوہ القرب ومرضات الرب، جاز لہ ذلک وان لم یوجد تملیک ھنالک، فان المطلوب فی الاضاحی مطلق التقرب دون خصوص التملیک من الفقیر ولذا جازت الاباحۃ ولو لغنی۔

جب تک لوگ خدا کے لئے قربانی کرتے رہیں۔

قربانی کی کھال کو تمول کی غرض سے نہ بیچا ہو، بلکہ کارِ ثواب میں صرف کرنے کی غرض سے بیچا ہو، تو یہ بھی جائز ہے اور ان مصارف میں اس کا صرف کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ وہاں فقیر کو مالک نہ بنایا گیا ہو، کیونکہ قربانی کا مقصد مطلق کارِ ثواب ہی ہے، فقیر کو مالک بنانا نہیں، اسی لئے قربانی کا گوشت وغیرہ مالدار کو دینا بھی جائز ہے۔

والمعنی المانع فی البیع انما ھو التصرف علی قصد التمول کما نص علیہ الائمۃ الاعلام۔ قال فی الھدایۃ لا یشتری بہ مالا ینتفع بہ الا باستھلاکہ کالخل والابار لیراعتبار البیع بالدراھم والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول اھ[1] وفی مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر لا یبیعہ بالدراھم لینفق الدراھم علی نفسہ وعیالہ والمعنی انہ لا یتصرف علی قصد التمول اھ[2] ومثلہ فی البنایۃ شرح الھدایۃ للعلامۃ البدر وغیرہ من اسفار العلماء الغر،

اصل میں قربانی کی کھال کی بیع اس وقت منع ہے جب اس کو اپنی ذات کے تمول کے لئے بیچا ہو، اسی کی علماء اعلام کے کلام میں تصریح ہے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"قربانی کی کھال سے ایسی چیز نہ خریدے جس کو فنا کئے بغیر اس سے فائدہ نہ اٹھایا جاسکے، جیسے سرکہ یا غلہ سے بدلنا (کہ ان کو ختم کرکے ہی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے) دراہم کے ساتھ بیع کرنے کی ممانعت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے کارِ ثواب کی چیز کو اپنی ذات کے نفع اور مالداری کے لئے برتا۔"

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے، "روپیہ کے بدلے بیچنا اس وقت منع ہے کہ وہ روپیہ اپنے اور بال بچوں پر صرف کرے کہ یہی "تصرف علی

---

[1] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸

[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۲۱

وظاهران البیع للقرب لیس من التمول فی شئ فلا وجہ لمنعہ بل ھو قربۃ لکونہ فعل لاجل قربۃ ، فیکون اقامۃ للمطلوب الشرعی لادخولا فی الوجہ المنھی، الاتری الی ما قال الامام العلامۃ فخر الدین الزیلعی فی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق لو باعھا بالدراھم لیتصدق بھا جاز لانہ قربۃ کالتصدق اھ[1] فانما علل الجواز بکونہ قربۃ ، ومانحن فیہ ایضا کذلک ، فیکون مثلہ فی حکم الجواز، ویالیت شعری من این یحکم بوجوب التصدق مع انہ لم یکن معینا فی القربان راسا ولا حدث آخر مایوجبہ عینا بخلاف ما اذا باع بالدراھم لینفقھا علی نفسہ وعیالہ حیث یجب التصدق لحدوث التمول المنھی عنہ اقول والسر فی ذلک ما یستفاد من کلمات العلماء الکرام ان اصل القربۃ فی الاضحیۃ انما تقوم باراقۃ الدم لوجہ اللہ

وجہ التمول" ہے۔"

یہی بات بنایہ وغیرہ کتب کبار میں ہے، تو ثابت ہوا کہ کھال کی وہی بیع منع ہے جو اپنی ذات کے نفع کے لئے دراہم یا برتنے سے ختم ہو جانے والی چیز کے بدلے میں ہو، اور یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ کار ثواب کے لئے بیچنے کا اس سے کچھ علاقہ نہیں، تو ایسی بیع ممنوع ہونے کی کیا وجہ ہے، بلکہ یہ تو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے جس کے لئے قربانی ہوئی، تو اس کو تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہئے۔

علامہ فخر الدین زیلعی اپنی شرح کنز میں فرماتے ہیں، "اگر کھال کو صدقہ کرنے کی نیت سے بیچا تو جائز ہے، کیونکہ یہ کار ثواب ہے، جیسے گوشت ہی صدقہ کر دیتا۔"

www.alahazratnetwork.org

امام زیلعی نے اپنے کلام میں بیع الدراہم کے جواز کی وجہ مطلقاً کار ثواب بتایا، بیع مسئولہ بھی کار ثواب کے لئے ہی ہے، پھر اس کے ناجائز ہونے کی کیا وجہ ہے، یہ بلاشبہہ جائز ہے۔

ایسے پیسوں کا صدقہ واجب قرار دینا بالکل بے اصل بات ہے، جب خود قربانی کے گوشت اور کھال کا صدقہ کرنا واجب نہیں، تو اس کے دام کا صدقہ کس طرح واجب ہوگا، جبکہ صدقہ کو واجب کرنے والی کوئی نئی بات پیدا بھی نہ ہوئی۔

ہاں وہ بیع بالدراہم جو اپنی ذات کے

---

[1] تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۶/۹

تعالیٰ فما لم یرق لایجوز الانتفاع بشئ منه حتی الصوف واللبن وغیر ذٰلك لانه نوی اقامة القربة بجمیع اجزائها فاذا اقیمت وحصل المقصود ساغ الانتفاع علی جمیع الوجوہ، بیدانه لما کان شیئا تقرب به الی المولیٰ سبحٰنه وتعالیٰ، والتقرب والتمول ضدان متباینان لایلتئمان، فقد خرج بذٰلك عن جهة التمول بحیث لاعود الیه ابدا فاذا قصد بشئ منه التمول فقد خالف واورث ذٰلك خبثا فی البدل، وایما مال حصل بوجه خبیث فسبیله التصدق، اما القربات فلا تنافی التقرب بل تحققه ولا تورث خبثا بل تزهقه فمن این تحرم وتجب تصدقه، قال الامام العینی فی البنایة المعنی فی اشتراء ما لاینتفع به الا بعد استهلاکه انه تصرف علی قصد التمول وهو قد خرج عن جهة التمول فاذا تمولته بالبیع وجب التصدق لان هذا

انتفاع کے لئے ہو، وہ ضرور بیع منہی عنہ ہے کہ اس بیع کا مقصد مال حاصل کرنا ہے، اور یہ شرعاً منع ہے، اس کا بھید یہ ہے کہ قربانی میں اصل کارِ ثواب اللہ کے لئے خون کا بہانا ہے، اسی لئے جب تک جانور سے یہ اصل غرض حاصل نہیں ہوتی اس سے ہر قسم کا انتفاع مطلقاً منع ہے، حد یہ ہے کہ اُون اور دُودھ سے بھی انتفاع جائز نہیں، نہ قربانی کرنے والے کو نہ غیر کو، اور جب اصل غرض حاصل ہوگئی تو اس کے تمام اجزاء سے ہر قسم کا انتفاع جائز ہوگیا، لیکن قربانی شدہ جانور کو کُلاً یا بعضاً کسبِ زر کے لئے بیچنا، اس کو قرابت اور کارِ ثواب سے پھیر کر دنیا کی طرف موڑ دینا ہے، اور کارِ ثواب اور حصولِ زر میں منافات ہے، اس لئے اس طرح بیع ناجائز اور منع ہوگی، اور جو روپیہ اس طرح حاصل ہوگا وہ مالِ خبیث ہوگا اور مالِ خبیث کا شرعی حکم صدقہ کرنا ہی ہے، اور صدقہ کی غرض سے بیچنے اور قربانی میں کوئی منافات نہیں کہ یہ بھی کارِ ثواب اور وہ بھی کارِ ثواب، تو یہ ایک طرح سے اسی کی تکمیل ہے، تو اس سے حاصل شدہ رقم خبیث نہ ہوگی، لہٰذا یہ بیع بھی حرام نہ ہوگی۔ اسی بات کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بنایہ میں ارشاد فرمایا، "جس چیز سے انتفاع اس کے فنا کے بغیر نہ حاصل ہو ایسی چیز سے بیع حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قربانی کے جانور میں تمول کی غرض سے تصرف ہوا حالانکہ وہ جانور

www.alahazratnetwork.org

الثمن حصل بفعل مکروہ فیکون خبیثا فیجب التصدق[1] اھ و بہ تبین وان کان[ع] بینا بنفسہ ان لیس کل تبدل بمستھلك تمولا والا لما جاز البیع بالدراھم بنیۃ التصدق ایضا لصدق التمول علیہ حینئذ فیکون تصرفا ممنوعا خبیثا وھو خلاف المنصوص علیہ ویکون التصدق اذ ذاك لازالۃ الخبث والخروج عن المآثم لا لاکتساب الثواب والتقرب الی رب الارباب ولا یجوز لہ فیہ رجاء القبول فان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب[2] ولو رجاء لباء باثم علی اثم فان ارتجاء القبول فی مال خبیث اثم بحیالہ کما صرحوا بہ وھذا کلہ باطل بالبداھۃ

تمول کی جہت سے نکل کر ہمیشہ کے لئے تقرب کی جہت میں داخل ہوگیا ہے، تو جب اسے بیع کرکے کسب زر کیا اس کا صدقہ واجب ہوا، اس لئے کہ یہ قیمت فعل مکروہ سے حاصل ہوئی، تو وہ خبیث ہوئی، اور اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔"

سوال وجواب | یہاں اگر کوئی یہ کہے کہ یہ بات تو سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ کمال کی بیع بطور تمول ناجائز ہے، اور حاصل ہونے والی قیمت خبیث ہے، ہمارا یہ کہنا ہے کہ کسی ایسی چیز کے بدلے بیچنا جو برتنے سے ختم ہوجائے، یہ بھی بیع بطور تمول ہے، تو کارِ ثواب کے لئے بھی اس طرح بیچنا بطور تمول ہوا، جس کو ناجائز ہونا چاہئے، اور قیمت کا صدقہ واجب ہونا چاہئے۔

جواب یہ ہے کہ اس خیال کی تردید امام عینی کا کلام کر رہا ہے کیونکہ انھوں نے تصدق کے لئے مستہلک سے بھی بیع کو جائز قرار دیا، حالانکہ اس پر بقول آپ کے بیع برائے تمول صادق آتا

ع فان نفس لفظ التمول یدل بعبارتہ علی المال وبھیئاتہ علی تحصیلہ لنفسہ کما لا یخفی ۱۲ منہ قدس سرہ۔

کیونکہ تمول اپنے لفظ کے اعتبار سے مال پر اور صورت کے اعتبار سے اپنی ذات کے لئے تحصیل پر دلالت کرتا ہے ۱۲ منہ قدس سرہ۔

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۴/ ۱۹۰

[2] مسند امام احمد بن حنبل از مسند حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۳۲۸

فثبت ان ليس كل تبدل بمستهلك تمولا و ان البيع للتصدق خارج عنه فكذا السائر القرب اذ لافارق يقضى بكون هذا تمولا وذاك غيره ومن ادعاه فليات ببرهان على دعواه ولم يقدر عليه ان شاء الله۔

چاہیے، اور اس کو حرام ہونا چاہیے، اور اس کا تصدق بلا نیت ثواب ضروری ہونا چاہیے جو مال خبیث کا حکم ہے اس سے ثواب کی امید رکھنا گناہ بالائے گناہ ہونا چاہیے، اور یہ سب باطل ہے، کیونکہ یہاں تصدق اور طلبِ ثواب کی نیت سے یہ بیع ہوئی

پھر بھی امام عینی نے اس کو جائز قرار دیا، تو ثابت ہوگیا کہ مستہلک سے بیع مطلقاً تمول کے لئے نہیں ہوتی

ایک اور سوال وجواب

فان قال قائل انما جاز البيع للتصدق لان للوسائل حكم المقاصد فالبيع للتصدق مثل التصدق و التصدق جائز فكذا البيع له۔

اگر کوئی یہ کہے کہ صدقہ کی غرض سے بیع جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بیع صدقہ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے اور جو حکم مقصد کا ہوتا ہے وہ وسیلہ کا بھی ہوتا ہے صدقہ جائز ہے، تو اس کا وسیلہ بیع بھی جائز ہوگا۔

قلت كذلك البيع للتقرب مثل التقرب والتقرب جائز فكذا البيع له بل يلزم عليه جواز البيع للاكل ايضا لجواز الاكل بنص القرآن العظيم فالحق فى التعليل ماقدمنا عن الامام الزيلعى من انه قربة، وحينئذ لابد من كلية الكبرى القائلة بان كل قربة تجوز ههنا ينتج ان البيع للتصدق يجوز ههنا وبه يتضح جواز سائر القرب وضوح الشمس فى رابعة النهار هذا و للعبد الضعيف لطف به القوى اللطيف

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تاویل بعینہٖ دیگر کارِ ثواب میں بھی جاری ہے کہ یہ سارے کارِ ثواب جائز ہیں، تو اس کے لئے بیع بھی جائز ہونا چاہیے بلکہ اس توجیہ سے تو اشیائے مستہلکہ کے عوض بیچنا بھی جائز ہونا چاہیے، مثلاً غلّہ کے عوض کھال بیچیں اور غلّہ کو اپنے استعمال میں لائیں کہ قربانی کو کھانا جائز اور بیع اس کے حصول کا ذریعہ، اور جو حکم مقصد کا وہی ذریعہ کا، تو یہ بیع بھی جائز، حالانکہ اس بیع کے ناجائز ہونے کا جزئیہ کلام ائمہ میں موجود ہے۔

تو ثابت ہوا کہ اصل علتِ جواز یہ نہیں کہ وسیلہ مقاصد کے حکم میں ہے بلکہ اصل علت وہی ہے

لہ تبیین الحقائق کتاب الاضحیۃ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۹/۶

تقریر آخر اشمل واظہر لبیان الفرق تظہر بہ المسائل جمیعا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

کہ حصولِ زر اور تموّل کی غرض سے بیع ناجائز ہے، اور مقاصدِ خیر کی غرض سے جائز، جیسا کہ امام زیلعی نے اس کے جواز کی علت میں فرمایا "لانہ قربۃ" (اس لئے کہ یہ کارِ ثواب ہے) اور منطق کی زبان میں یہ قول قیاس کا صغریٰ ہوا، اور نتیجہ دینے کے لئے کبریٰ کا کلیہ ہونا ضروری ہے جو اس طرح ہوگا "ہر قربت جائز ہے" تو بات نصف النہار کی طرح واضح ہوگئی کہ ہر قربت اور کارِ ثواب کے لئے بیع جائز ہے، وللہ الحمد۔

فاقول وباللہ التوفیق الجہات ثلٰث، الاکل والادخار والائتجار وھو طلب الاجر بای وجہ کان فقد اخرج ابوداؤد فی سننہ بسند صحیح رواتہ کلھم من رجال الصحیحین ماخلا مسددا فثقۃ حافظ من شیوخ البخاری عن نبیشۃ الخیر الھذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انا کنا نھیناکم عن لحومھا ان تاکلوھا فوق ثلث لکی تسعکم جاء اللہ بالسعۃ فکلوا وادخروا و ائتجروا الا وان ھذہ الایام ایام اکل و شرب وذکر اللہ عزوجل[1] والائتجار باطلاقہ یشمل التصدق وسائر وجوہ التقرب کما لا یخفی فان فسرہ مفسر بالتصدق فلیکن التصدق فی کلامہ بالمعنی الاعم علی ماسیأتیک تحقیقہ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ایک دوسری تقریر | شرعاً قربانی کے مصرف کی تین جہتیں ہیں: اکل (کھانا)، ادخار (جمع کرنا)، ائتجار (کارِ ثواب) میں صرف کرنا چاہے کون سا بھی کارِ ثواب ہو، جیسا کہ ابوداؤد نے ایک ایسی سند سے جس کے تمام راوی بخاری اور مسلم کے رواۃ میں ہیں، ایک صاحب حضرت مسدد ایسے نہیں تو وہ ثقہ ہیں، حافظ ہیں، اور امام بخاری کے اساتذہ میں ہیں، الغرض یہ حدیث صحیح حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے "حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہم تم کو قربانی کا گوشت تین دن سے زائد روکنے سے منع کرتے تھے، اس کا مقصد مسکینوں پر آسانی تھی، اب اللہ تعالیٰ نے کشادگی فرمادی، تو اب کھاؤ، جمع کرو اور کارِ ثواب میں صرف کرو۔ سنو یہ دن ہی کھانے پینے اور ذکر الٰہی کے دن ہیں"۔ تو اس حدیث سے مطلقاً ہر کارِ ثواب کیلئے بیچنا جائز ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

---

[1] سنن ابی داؤد کتاب الضحایا باب حبس لحوم الاضاحی آفتاب عالم پریس لاہور ۲/۳۳

فان قلت الوارد فی حدیث احمد والبخاری و مسلم وغیرھم عن ام المؤمنین الصدیقة رضی اللہ تعالیٰ عنھا قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلوا وادخروا و تصدقوا[1]، فلیحمل الائتجار علی التصدق لاتحاد الحکم والحادثة۔

قلت کلا فان الامر ھٰھنا لیس للوجوب باجماع عامة علماء الامة، منھم سادا تنا الائمة الاربعة رضی اللہ تعالیٰ عنھم، وقد نصوا فی غیر ما کتاب ان لو اکلہ کلہ ولم یتصدق بشئ منہ لا شئ علیہ ومعلوم ان الترخیص والترغیب فی مقید لاینا فی الترغیب والترخیص فی مطلق، فلا معنی للحمل ولا داعی الیہ۔

وسرّ المقام ان الحمل عندنا ضروری لایصار الیہ الا لضرورة وھو ان یتمانعا بحیث لایمکن العمل بھما اما حیث لا تمانع فنحن نجری المطلق علی اطلاقہ حملا للفظ علی ظاھرہ وعملا بالدلیل بتمامہ، قال المولی المحقق علی الاطلاق

سوال وجواب اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ کارِ ثواب سے مراد وہی فقراء پر صدقہ کرنا ہے، تو ہمیں اصرار ہے کہ حدیث شریف کا لفظ ایتجار تمام امورِ خیر کو عام ہے، اس کو تملیک فقراء والے صدقہ میں منحصر کرنا تحکم ہے۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب حدیث عام کو صدقہ خاص پر محمول کرنے کی یہ دلیل دیں، بخاری و مسلم وغیرہ کتبِ احادیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث مروی ہے جس میں ایتجار کے بجائے تصدقوا کا لفظ ہے، تو ان دونوں حدیثوں میں تطبیق دینے کے لئے کیوں نہ ہم لفظ ایتجار (کارِ ثواب) کو صدقہ پر محمول کریں کیونکہ اصول کا مسئلہ یہ ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جاتا ہے، اور یہاں پر ایسا ہی ہے کہ واقعہ دونوں حدیثوں میں قربانی کے جانور کا ہے اور حکم بھی دونوں جگہ ایک ہی ہے، بس فرق یہ ہے کہ ابوداؤد شریف کی حدیث میں صدقہ عام کا حکم ہے اور صحیحین کی حدیث میں صدقہ خاص کا، لہٰذا یہاں ایتجار سے مراد صدقہ ہی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات صحیح ہے کہ جب حکم اور واقعہ ایک ہی ہو تو عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، لیکن یہ حکم عمومی نہیں کہ ہر واجب مستحب کو عام ہو، بلکہ صرف حکم وجوبی کے ساتھ

---

[1] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب ماکان من النھی عن اکل لحوم الاضاحی الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۱۵۸

محمد بن الھمام قدس سرہ فی فتح القدیر اجیب عنا بانا انما نحمل فی الحادثۃ الواحدۃ للضرورۃ[1] الخ و قال فی تشیید ھذا الجواب تحقیقہ ان الحمل لما یجب الا للضرورۃ وھی المعارضۃ بین المطلق والمقید[2] الخ۔

فالمناط عند التنقیح ھو التمانع دون اتحاد الحکم والحادثۃ۔

خاص ہے کہ احکام واجبہ میں اتحاد حکم وواقعہ کے وقت عام کو خاص پر محمول کیا جائے گا، اور قربانی کے مصرف کے سلسلہ میں جو حکم ہے استحبابی ہے، اس بات پر چاروں اماموں کا اجماع ہے، لہذا مطلق کو مطلق اور مقید کو مقید رکھا جائے گا، ایک کو دوسرے پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں، تو جس حدیث میں تصدق کا لفظ ہے اس سے وہی مراد لیں گے، اور جس میں مطلقاً کار ثواب کا لفظ ہے اس سے جمیع وجوہ خیر مراد لیں گے۔ حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے باری باری دونوں ہی امور کی طرف رغبت دلائی۔

اس کا رمز یہ ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بدرجہ مجبوری ہے، یعنی جب مطلق اور مقید دونوں کو اپنے اپنے محل پر حمل کرنا ممکن نہ ہو، اور جہاں ایسا ممکن ہو حمل کرنے کی بالکل ضرورت نہیں۔ امام ابن ہمام فرماتے ہیں: "حادثہ واحدہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا حکم بضرورت ہے، جب مطلق اور مقید کے حکم میں تعارض ہو تو مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے کہ مجبوری ہے۔"

www.alahazratnetwork.org

تو ثابت ہوا کہ اصل مطلق کو مقید پر حمل کرنے کا سبب مطلقاً اتحاد حکم وحادثہ نہیں، بلکہ دونوں حکموں کا تعارض اور منافاۃ ہے۔

یجزم بذلک من عاشر عوائس نفائس عبارا تھم فقد حکموا ان لاحمل ان ورد فی السبب اذ لا تجاذب فی الاسباب ولا ان کان منفیین لامکان الجمع بالامتناع مطلقہ وانہ یجب الحمل ان اتیا فی حکمین مختلفین یوجب احدھما تقیید الاٰخر

مزید وضاحت کے لئے ہم کلام علماء سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں:

(الف) تلویح وغیرہ میں ہے: "مطلق اور مقید اگر اسباب کے بیان میں وارد ہوں تو مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ ایک شئی کے چند اسباب ہو سکتے ہیں، تو تعارض نہیں، تو حمل کی ضرورت نہیں۔"

---

[1] فتح القدیر
[2] فتح القدیر

بتوسط لازم، وذلك كان ينفي المقيد لازم اطلاق المطلق فينتفي بانتفائه فيتقيد لا محالة كما في اعتق عني رقبة ولا تملكني رقبة كافرة فان النهي عن تمليك كافرة ينفي جواز اعتاقها عنه، اذ لا اعتاق عنه بدون تمليكها عنه۔

وقد اجابوا القائلين بالحمل في الاسباب واختلاف الحوادث بعدم التعارض كما في التلويح وغيره، وعللوا وجوب الحمل عند الاتحاد بامتناع الجمع ممتثلين له بقوله تعالٰی فصیام ثلثة ایام[1] مع قراءة ابن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ بزیادة متتابعات، قالوا فان المطلق يوجب اجزاء غير المتتابع والمقيد يوجب عدم اجزائه كما في التوضيح[2] وغيره فقد افادوا ان الحمل خاص بالايجاب دون الجواز والاستحباب، ولذا

(ب) تلویح میں اسباب متعدد اور اختلاف حوادث کی صورت میں بھی مطلق کو مقید پر حمل کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: "اگر ایک ہی حادثہ میں ایک حکم میں مطلق کی نفی ہو، اور دوسرے میں مقید کی نفی، تو مطلق کو مقید پر محمول نہیں کیا جائیگا کہ ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، اصل مراد دونوں کی نفی ہے۔

ہاں دو ایسے مختلف احکام میں مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا، جہاں ایک حکم دوسرے کی تقیید کو مستلزم ہو جیسے کسی نے کسی سے کہا ہماری طرف سے ایک غلام آزاد کرو، اور مجھے کسی مشرک غلام کا مالک نہ بنانا، ایسی صورت میں آمر کی طرف سے صرف مسلمان خرید کر ہی آزاد کیا جائیگا اگرچہ حکم مطلقاً آزاد کرنے کا ہے، لیکن مشرک غلام کی ملکیت کی نفی نے تملیک کو صرف مسلم غلام تک خاص رکھا، اور اُسے مالک بنائے بغیر اُس کی طرف سے آزاد نہیں ہو سکتا، تو جس کا مالک بنا سکتا ہے، یعنی مسلمان کا، اُسی کو آزاد بھی کرے گا، آزادی کا حکم لاکھ عام ہو۔"

(ج) توضیح وغیرہ میں تعارض کے وقت مطلق کے مقید پر محمول ہونے کی مثال دیتے ہوئے فرمایا گیا: "اللہ تعالٰی نے کفارہ میں مطلقاً تین روزے

---

[1] القرآن الکریم ۵/ ۸۹

[2] التوضیح والتلویح فصل فی ذکر المطلق والمقید مصطفی البابی مصر ۱/ ۶۳ و ۶۴

قال المولی بحر العلوم ملك العلماء عبد العلی اللکنوی قدس سرہ فی فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ، فیہ اشارۃ الی ان الحمل انما ھو اذا کان الحکم الایجاب دون الندب او الاباحۃ او لانتہا لعم فی اباحۃ المطلق و المقید بخلاف الایجاب فان ایجاب المقید یقتضی ثبوت المؤاخذۃ بترك القید و ایجاب المطلق اجزأہ مطلقا[1] اھ ، قول الامام السغناقی فی النہایۃ علی ما نقلہ فی البحر مقرا علیہ بل متمسکا بہ من ان الاصح انہ لایجوز حمل المطلق علی المقید عندنا لافی حادثۃ ولا حادثتین حتی جوز ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ التیمم بجمیع اجزاء الارض بحدیث جعلت لی الارض مسجدا و طہورا و لم یحمل ھذا المطلق علی المقید وھو حدیث التراب طہورا[2] اھ فلعلہ اراد نفی زعم من زعم ان مذھب اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنہم وجوب الحمل عند اتحاد

رکھنے کا حکم دیا، متفرق طور پر ہو یا مسلسل، اس سے کچھ تعرض نہیں کیا صِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ (تین یوم کا روزہ) لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قرارت ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ (مسلسل تین دن) آیا، یہاں ایک حادثہ میں دو متعارض حکم واجب کئے گئے، کیونکہ آیت کا تقاضا یہ ہے کہ متفرق طور پر بھی روزہ رکھ لے تو کفارہ کے لئے کافی ہوگا، اور متتابعات کا تقاضا یہ ہے کہ مسلسل رکھنا واجب ہے، اس لئے یہاں مطلق کو مقید پر حمل کیا جائے گا۔"

تو ان علماء نے تعارض والی صورت کو وجوب کے ساتھ خاص فرمایا۔

(د) یہی بات ملا عبدالعلی بحر العلوم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فواتح الرحموت میں فرمائی: "مصنف کی عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مطلق کو مقید پر حمل کرنا احکام واجبہ کے ساتھ خاص ہے، احکام مستحبہ اور مباحہ کے ساتھ نہیں، اس لئے کہ مطلق اور مقید دونوں کے مباح ہونے میں کوئی تعارض نہیں، البتہ احکام واجبہ میں تعارض ہے کہ مقید کا تقاضا یہ ہوگا کہ جس نے قید پر عمل چھوڑ دیا، مجرم ہوا اور مطلق کا تقاضا یہ ہوگا کہ کوئی جرم نہیں کیا، اس تعارض کو دفع کرنے کی ضرورت ہے، مطلق کو

---

[1] فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت بذیل المستصفی فصل المطلق ما دل علی فرد منشورات الشریف الرضی قم ایران ۱/ ۳۶۲

[2] بحر الرائق کتاب البیع فصل یدخل البناء والمفاتیح فی بیع الدار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۲۹۹

الحادثة مطلقا ، فافادان ليس هذا من المناط فی شئ بل لايجوز فی حادثة ايضا اذا لم يتما نعا فيضطر اليه لدفع التعارض ، الاترى ان امامنا الاعظم رضی الله تعالیٰ عنه لم يحمل الارض علی التراب مع اتحاد الحادثة وعلی هذا التقرير لايتجه ما اورد عليه العلامة المحقق محمد بن عابدين الشامی قدس سره السامی فی رد المحتار كما اوضحته فيما علقته عليه وللعبد الضعيف ههنا بحث شريف لولاغرابة المقام لاتيت به۔

مقید مان لیا جاتا ہے۔

(۷) امام سغناقی نے نہایہ میں فرمایا اور صاحب بحر الرائق نے ان کے قول کو سند کے طور پر ذکر کیا، "صحیح یہی ہے کہ حادثہ چاہے ایک ہو چاہے چند، مطلق کو مقید پر حمل نہیں کیا جائے گا، دیکھو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں فرمایا، "ساری روئے زمین میرے لئے طہور بنائی گئی" یہ مطلق ہے۔ دوسری حدیث میں فرمایا: "التراب طهور" (مٹی پاک ہے)، یہ خاص اور مقید ہے، ہمارے امام اعظم رحمہ اللہ نے عام کو خاص پر حمل نہیں کیا، اور اس کے سارے اجزاء سے ہی تیمم جائز قرار دیا، اگرچہ حادثہ ایک ہی ہے۔

اس عبارت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام سغناقی ان لوگوں کو جواب دے رہے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حنفیوں کے نزدیک اتحاد حادثہ و حکم ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا حالانکہ دار و مدار حادثہ واحدہ یا متعددہ پر نہیں، تعارض پر ہے، اور اسی مجبوری سے عام کو خاص پر یا مطلق کو مقید پر حمل کیا جاتا ہے، اور اسی سے ہمارے امام اعظم نے ایک حادثہ میں بھی عام کو خاص پر حمل نہیں کیا کہ ان دو حکموں میں کوئی تعارض نہیں۔

(یہاں امام شامی کا ایک اعتراض ہے جس کا جواب ہم نے ان کی کتاب پر لکھے ہوئے اپنے حاشیہ میں دیا ہے)

علی ان لقائل ان يقول ان الائتمار ههنا لوحمل علی التصدق لكونه معه كالمطلق مع المقيد فكذلك يجب حمل الاطعام الواردة وعند احمد والشيخين وغيرهم فی حديث سلمة بن الاكوع رضی الله تعالیٰ عنه كلوا واطعموا وادخروا[1]، و

ایک اور دلیل | یہی حدیث حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام احمد و شیخین نے اس طرح روایت کیا:

(۱) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو)

اور امام احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں روایت کی:

---

[1] صحیح البخاری کتاب الاضاحی باب مایوکل من لحوم الاضاحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۸۳۵

عند احمد و مسلم والترمذی من حدیث بریدۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا ما بدا لکم واطعموا وادخروا[1] وعند مسلم وغیرہ من روایۃ ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالٰی عنہ کلوا واطعموا و احبسوا وادخروا[2]، فان الاطعام ایضا مع التصدق کالاتجار مع انہ باجماع العلماء علی اطلاقہ جائز للاتفاق علی اباحۃ الاباحۃ وعدم قصر الامر علی التملیک، فافہم والمتأمل الموفق اذا نظر حدیث اُمتنا رضی اللہ تعالٰی عنہا مع ھٰذہ الاحادیث[ع] الاربعۃ التی فی رواہ انہ المراد ثمہ بالتصدق المعنی الاعم الشامل لجمیع انواع القرب المالیۃ

(۲) کلوا ما بدا لکم (جتنا چاہے کھاؤ) واطعموا (کھلاؤ) ادخروا (جمع کرو)
اور امام مسلم وغیرہ کے یہاں ان الفاظ میں مروی ہے،
(۳) کلوا (کھاؤ) اطعموا (کھلاؤ) احبسوا (روک رکھو) ادخروا (جمع کرو)
حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث اس کے ساتھ ملالی جائے، تو ان چاروں حدیثوں میں "کلوا" اور "ادخروا" کا لفظ مشترک ہے، صرف حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی حدیث میں تیسرا لفظ "ایتجروا" (طلب اجر یعنی کارِ ثواب کرو) ہے، اور بقیہ تین حدیثوں میں "ایتجروا" کے بجائے اطعموا ہے، اور حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں اس مقام پر تصدقوا ہے، گویا ان حدیثوں میں تیسری چیز کو تین لفظوں سے تعبیر کیا: ایتجروا، اطعموا، تصدقوا۔ اب اگر سب چھوڑ کر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی

www.alahazratnetwork.org

ع۱ ای احادیث نبیشۃ وسلمۃ و بریدۃ وابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم ۱۲ منہ قدس سرہ۔

یعنی حضرت نبیشہ، سلمہ، بریدہ اور ابی سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم کی احادیث۔ ۱۲ منہ قدس سرہٗ۔ (ت)

ع۲ ظنی انہ لابد ھٰھنا من لفظ علیہ (ای یجب حمل الاطعام الواردۃ فی الاحادیث علی التصدق)

میرا گمان ہے کہ یہاں "علیہ" کا لفظ ضروری ہے یعنی حدیث میں وارد اطعام کو صدقہ پر محمول کیا جائے۔ (ت)

---

[1] جامع الترمذی ابواب الاضاحی باب فی الرخصۃ فی اکلہا بعد ثلاث امین کمپنی دہلی ۱/ ۱۸۲
[2] صحیح مسلم کتاب الاضاحی باب بیان ماکان من النہی عن اکل لحوم الاضاحی قدیمی کتبخانہ کراچی ۲/ ۱۵۹

كما سيرد عليك تحقيقه ان شاء الله تعالٰى كيما تلئتم وترد مورد اواحدا ، و الاحاديث يفسر بعضها بعضا و بالله التوفيق.

حدیث کا لفظ "ایتجروا" عام نہیں، بلکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث کی طرح اس سے مراد خاص صدقہ تملیکی ہے (یعنی جس میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہوتا ہے) تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ بقیہ تینوں حدیثوں میں لفظ "یتجروا" کے بجائے لفظ "اطعموا" ہے، تو اس کو بھی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کی حدیث "تصدقوا" سے وہی نسبت ہوئی جو ایتجروا کو ہے، تو لازم ہوگا کہ اطعام کو بھی تصدقوا پر محمول کیا جائے اور اطعام میں بھی اباحت کافی نہ ہو تملیک ضروری ہو، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی شخص کسی کو قربانی کا گوشت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دے تو یہ ناجائز ہوگا جب تک کہ فقیر کو اس کا مالک نہ کرے، جبکہ تمام علماء کا اجماع ہے کہ آدمی قربانی کا گوشت جس طرح دوسروں کو دے سکتا ہے اسی طرح بطور اباحت دعوت بھی کر سکتا ہے، اور اگر حدیث کے لفظ اطعام کو تصدق پر محمول نہیں کرتے تو ایتجار کو کیسے محمول کرتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

الغرض ان سب حدیثوں پر جتنا غور کیا جائے گا یہ حقیقت کھلتی جائے گی کہ تصدقوا سے مراد صدقہ خاص نہیں، بلکہ عام طور پر ہر کارِ ثواب مراد ہے چاہے اس میں تملیک ہو یا نہ ہو۔

وناهيك قول الامام الجليل صاحب الهداية فيها يستحب ان لا ينقص الصدقة عن الثلث لان الجهات ثلثة الاكل والادخار كما رويناوالاطعام لقوله تعالٰى واطعموا القانع والمعتر ، فانقسم عليها اثلاثا اھ ، ومعلوم ان الاطعام لايقتصر على التمليك لا لغة ولا شرعا وقد اجمعوا ھٰهنا على

تائید مزید | اور انصاف پسندوں کے لئے تو صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہی کافی ہے جس میں وہ لفظ اطعام کی تفسیر مفہوم صدقہ سے کرتے ہیں، عبارت ان کی یہ ہے: "مستحب یہ ہے کہ صدقہ والا حصہ ایک ثلث سے کم نہ ہو، کیونکہ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، دو چیزیں تو احادیث سے ثابت ہیں، کھانا اور جمع کرنا، اور تیسری چیز اطعام، یہ قرآن سے ثابت ہے، ارشادِ الٰہی ہے: اطعموا القانع والمعتر (کھلاؤ صابر اور مانگنے

لہ الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸

جواز الاباحة بل نصوا ان کل ما شرع بلفظ الاطعام جاز فیه الاباحة لما سیأتی فاین تعیین التملیک تدعون، ثم رأیت العلامة الاتقانی فی غایة البیان قال فی شرح هذا الکلام وذلک لان الآیة والخبر تضمنا جواز الاکل والتصدق والادخار فکانت الجهات ثلثا فانقسمت علیها اثلاثا[1] اھ و معلوم ان لیس فی الآیة الا لفظ الاطعام المجمع علی شموله للاباحة، وقد عبر عنه بالتصدق فعلم ان التصدق المذکور ههنا هو المحمول علی الائتجار دون العکس واللہ الموفق۔

والے فقیروں کو) تو جب جہتیں تین ہیں تو گوشت بھی تین حصہ کر لیا جائے۔"

اس عبارت کے شروع میں جس کو صدقہ والا حصہ کہا ہے یہ وہی ہے جس کو بعد والی عبارت میں لفظ اطعام سے بیان کرتے ہیں، اور یہ بات تو سب جانتے ہیں کہ اطعام کے لئے تملیک ضروری نہیں، نہ شرعاً نہ لغۃً، بلکہ سب نے بالاتفاق اطعام میں اباحت کو جائز رکھا، بلکہ یہ تصریح کی کہ جہاں لفظ اطعام آئے وہاں اباحت مراد ہوگی، امام اتقانی اسی عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں:

"قرآن وحدیث نے جب کھانا، صدقہ اور جمع کرنا جائز قرار دیا، تو جہتیں تین ہوئیں، لہذا گوشت کا بھی تین حصہ کرنا چاہیے۔"

www.alahazratnetwork.org

ہمارا کہنا ہے کہ آیت میں صدقہ کا لفظ بھی نہیں اطعام کا لفظ ہے جس کے لفظ میں اباحت داخل ہے، اور اسی کو یہ علماء لفظ تصدق سے تعبیر کرتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ اس موقعہ پر لفظ تصدق ہی عام معنی میں مستعمل ہے، اور اس سے ہر قسم کا کارِ خیر مراد ہے۔

ثم ان الحاکم روی فی تفسیر سورة الحج من مستدرکه بطریق زید الجباب عن عبد اللہ بن عیاش المصری عن الاعرج عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم من باع جلد اضحیته فلا اضحیة له[2]

ایک شبہہ اور اس کا جواب امام حاکم نے اپنی مستدرک میں سورۂ حج کی تفسیر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے ایک روایت نقل کی ہے، امام بیہقی نے بھی سنن کبریٰ میں اسے نقل کیا، حاکم نے اس حدیث کو صحیح الاسناد بتایا، لیکن امام ذہبی نے تلخیص میں اس پر جرح کی، جو کچھ بھی ہو یہ

---

[1] غایۃ البیان

[2] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰

ورواہ البیھقی ایضا فی سننہ الکبری ، قال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ[1]۔

قلت وھذا وان ردہ الذھبی فی التلخیص فقد تلقاہ العلماء بالقبول ، و بھذا یتقوی الحدیث وان ضعف سندا ، بید انھم کما تری لایجرون علی اطلاقہ ، فقد اتفقوا علی جواز البیع للتصدق ، ونص ائمتنا فی الصحیح عندھم علی جواز البیع بما یبقی ، فکان الشان فی تنقیح معنی الحدیث۔

وانا اقول وباللہ التوفیق من تأمل نظم الحدیث وامعن النظر فی القواعد الفقھیۃ ، الجأہ ذلک الی الجزم بان المراد بیع خاص لا مطلق التبدل کیفما کان ، کیف وان التصدق من مقاصد الاضحیۃ المأذون فیھا شرعا ، وان للبدل حکم المبدل ، وقد ثبت شرعا جواز دفع القیمۃ فی زکوٰۃ وفطرۃ ونذر وکفارۃ کما نص علیہ فی الھدایۃ والکافی والکنز والتنویر وغیرھا عامۃ کتب المذھب ، فاذا جاز ھذا ، والصدقات واجبۃ ، فلأن یجوز وھی نافلۃ اولیٰ فافھم ، اما عدم جواز ذلک فی الھدایا والضحایا بان لایریق الدم

حدیث علمائے اسلام میں مقبول ومتداول ہے اور یہ چیز ضعیف حدیث کو قوی بنا دیتی ہے ؛ الفاظ حدیث کے یہ ہیں ؛

من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ۔

(جس نے قربانی کی کھال بیچی اس کی قربانی نہیں)

اس حدیث سے اگر کسی کو شبہہ ہو کہ امور خیر کے لئے بھی اس حدیث کی رُو سے ناجائز ہوئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں جس کے خارجی ، داخلی اور شرعی سبھی قسم کے شواہد ہیں۔

خارجی دلیل تو یہ ہے کہ سارے علماء اس امر پر متفق ہیں کہ صدقہ کے لئے کھال کی بیع جائز ہے اور خاص علمائے احناف تو باقی رہنے والی چیز کے بدلہ میں بھی اس کی بیع جائز قرار دیتے ہیں ، اور ظاہر ہے کہ سب علماء حدیث کے خلاف اتفاق نہیں کر سکتے ، اس لئے لامحالہ سب کے نزدیک یہ حدیث مطلق نہیں ہوئی بلکہ مؤول ہے۔

شرعی شہادت یہ ہے کہ شریعت نے قربانی کے گوشت وغیرہ کے جو مقاصد قرار دیئے ہیں ان میں صدقہ بنیادی مقصد ہے ، اور از رُوئے شرع بدل پر وہی حکم لاگو ہوتا ہے جو مبدل کا تھا ، چنانچہ زکوٰۃ وفطرہ میں جس طرح اصل (غلہ ، چاندی سونا وغیرہ) ادا کرنا جائز ہے ، اسی طرح اسکی

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب الاضحیۃ تفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰

ویعطی القیم ، فان القربة فیها بالاراقة دون التصدق ، وهی غیر معقولة، فلا تستبدل ولا تتقوم ، کما افاده فی الهدایة والبحر وغیرهما ثم انا نجد الجزاء ای فلا اضحیة لہ[1] اعظم شاهد علی عدم الاطلاق ، فان من باع للتصدق فقد اتی بما کان مندوبا الیه فی الاضاحی ، فکیف یجازی بانتفاء قربته مع انه لم یزد علی القربة الا قربة مطلوبة فی خصوص المحل ، وقضیة الجزاء ترتبه علی فعل ینافی التضحیة و ینفی الاضحیة علی ما فیه من التاویل لکونه فی معنی الرجوع عن القربة ، فلا یمکن ان یکون من باب القربة ، بل ولا من باب الاکل والادخار فان الشرع قد رخص فیهما ایضا مثل الائتجار، ولو کان فیهما ما ینافی الاضاحی ویصح ان یترتب علیه نفی الاضحیة ، لما اذن فیهما ، فعند

قیمت بھی، تو قربانی میں بھی یہی ہونا چاہئے کہ جس طرح گوشت اور کھال کا صدقہ جائز ہے اسکی قیمت کا صدقہ بھی جائز ہو۔

ایک ذیلی شبہہ اور اس کا جواب اصل قربانی میں تو ایسا نہیں ہوتا کیونکہ کوئی شخص قربانی کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرنا چاہے تو شرعاً جائز نہیں ، قربانی ہی کرنی ہوگی ، اس کا جواب یہ ہے کہ قربانی میں اصل مقصد خون بہانا ہوتا ہے جو قیمت صدقہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتا ، اور چونکہ قربانی کا حکم خلافِ قیاس ہے ، اس لئے اس میں اپنی عقل سے بدلہ مقرر کرنا صحیح نہیں ، جیسا کہ کرو بدائع وغیرہ میں اس کی تصریح ہے ، اور گوشت اور کھال کا مقصد صدقہ ہے ، اس لئے قیمت سے بھی ادا ہو جاتا ہے۔

www.ahnafnetwork.org

داخلی شہادت یہ ہے کہ یہ حدیث مبارک بطور شرط وجزا وارد ہوئی ، شرط یہ جملہ ہے : "جس نے قربانی کی کھال بیچی" اور جزا یہ ہے : "اس کی قربانی نہیں ہوئی"۔

پس اس جزا کا تقاضا یہ ہے کہ شرط ایسی چیز ہو جس پر قربانی کی نفی مرتب ہو سکے ۔ اور قربانی قربانی نہ رہ جائے ، نہ کہ وہ چیز جس سے قربانی کا مقصد بدرجۂ اتم حاصل ہو ، یعنی شرط ایسی بیع ہوگی جو ثواب کے لئے نہ ہو ، اور وہ بیع جو حصولِ ثواب

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر سورۃ الحج دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰

ذٰلك رأينا ان المراد هو البيع بحيث يخرج عن جميع ما رخص له الشرع فيه، وما هو الا البيع بمستهلك لا لان يصرف الى قربة فان الاكل وهو الانتفاع به عاجلا قد ذهب بنفس التبدل، والادخار[ع] لكونه لا نفع به ببقائه، والائتجار لعدم التقرب فخرج عن الوجوه الثلثة الشرعية، فكان هو الملحوظ بالنهي المورث للخبث الموجب للتصدق، اما اذا باع ما ينتفع به باقيا فالاكل وان فقد الائتجار وطلب ثواب ان لم يكن فالادخار باق، لان البدل ينوب المبدل وهو مبقى فيكون مدخرا، وكذا اذا باع بمستهلك لقربة فالاكل والادخار وان ذهب فالائتجار حاصل، وهو افضل الوجوه فلا معنى للمنع وبه ظهر ان ما نحن فيه اولى بالجواز من البيع بباق وهو مصرح بجوازه في عامة كتب المذهب

کی غرض سے ہو، یا وہ بیع جو باقی رہنے والی چیز سے ہو، یا اس کو کھا لیا جائے، تو یہ افعال لا اضحیۃ لہ (اس کی قربانی نہیں) کی شرط نہیں بن سکتے، کیونکہ ان کی تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے، تو لامحالہ شرط میں وہی بیع مراد ہوگی جس کی کھال یا گوشت کو تمول کیلئے بیچا گیا ہو کیونکہ ایسی بیع سے قربانی کے مقاصد ثلثہ فوت ہوگئے، بیع کی صورت میں کھانا منتفی ہوگیا، یہ ظاہر ہے، ادخار (جمع کرنا) اس لئے منتفی ہوگیا کہ ایسی چیز کے عوض بیچا جو باقی رہنے والی نہیں ہے کہ کہا جائے کہ بدل اصل کا قائم مقام ہے اور طلب ثواب اس لئے منتفی ہوگیا کہ یہ بیع تمول اور کسب زر کی غرض سے ہوئی تو ایسی بیع کی صورت میں قربانی کے تینوں مقاصد منتفی ہوگئے، اور یہ کہنا بالکل چسپاں ہوگیا کہ لا اضحیۃ لہ (اس کی قربانی نہیں) اور اس بیع سے جو قیمت حاصل ہوئی خبیث ہوئی، تو اس کا صدقہ واجب ہوگیا۔

برخلاف اس کے اگر باقی رہنے والی چیز سے بدلا تو اکل و ثواب تو ضرور منتفی ہوا، مگر ادخار باقی رہا کہ بدل کا باقی رہنا اصل کا باقی رہنا ہے، اور ہلاک ہونیوالی چیز سے بدلے ثواب

ع الادخار والائتجار كلاهما بالنصب عطفا على الاكل ۱۲ منه قدس سره۔

ادخار اور ائتجار دونوں نصب کے ساتھ ہیں لفظ اکل پر عطف کی بنا پر، ۱۲ منہ قدس سرہ (ت)

فانکار جواز هذا ان لیس تحکما فماذا ، وانت اذا تأملت ما القیت علیك ، واخذت الفطانة بیدیك وجعلت الانصاف بین عینیك ، لعلمت ان هذا هو الغنی المفهوم من الحدیث ، فی اول النظر کما بعد الطلب الحثیث فان المتبادر من سیاق اللفظ ان یکون بیعه للانتفاع لانه عقد موضوع

بیچا، تو اکل وادخار تو ضرور منتفی ہوا، لیکن طلبِ ثواب اب بھی باقی ہے، اور یہ ان وجوہِ ثلثہ میں سب سے افضل ہے، تو یہ جائز ہوگا، اور اس کا انکار زیادتی اور زبردستی ہے۔

ایک آسان بات یہ لمبی اور دقیق بحث ترک بھی کر دی جائے تو یہ ایک آسان اور سامنے کی بات ہے کہ لفظِ بیع انتفاع کے لئے بیچنے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ عقدِ بیع کی وضع ہی اسی غرض کیلئے ہوئی ہے اور یہی لفظ بیع بالدراہم کی طرف بھی اشارہ

ثم بعد زمان لما من المولی سبحنه وتعالی علی بشراء غایة البیان للعلامة الاتقانی رأیته نقل عن الامام شیخ الاسلام بکل ما یشیر الی هذا الذی نحوت الیه حیث قال قال شیخ الاسلام خواهر زاده رحمه الله تعالی فی مبسوطه اما اللحم فالجواب فیه کالجواب فی الجلد ان باعه بالدراهم تصدق بثمنه وان باعه بشئ آخر ینتفع به جاز کما فی الجلد وانما ذکر محمد رحمه الله تعالی البیع فی حق الجلد دون اللحم لانه بنی الامر علی ما هو الغالب وفی الغالب کما ینتفع بعین الجلد یباع بشئ آخر ینتفع به وفی اللحم فی الغالب ینتفع به

پھر کچھ زمانہ بعد جب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا علامہ اتقانی کی غایۃ البیان خرید لینے کا، اسے میں نے دیکھا کہ انھوں نے امام شیخ الاسلام سے وہ سب کچھ نقل فرمایا جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے جہاں انھوں نے فرمایا کہ شیخ الاسلام خواہر زادہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مبسوط میں فرمایا کہ گوشت کی بابت حکم وہی ہے جو کھال میں ہے کہ اگر دراہم سے فروخت کیا تو صدقہ کرے اور اگر کسی اور نفع آور چیز سے فروخت کیا جائز ہے جیسا کہ کھال کا حکم ہے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے صرف کھال کے متعلق بیع کا حکم اس لئے ذکر کیا کہ انھوں نے غالب رواج پر بنا کرتے ہوئے فرمایا کیونکہ غالب طور پر جلد کو نفع یا نفع مند کے بدلے فروخت

(باقی برصفحہ آئندہ)

لذلك وهو الغالب فيه وان يكون بالدراهم لانه البيع المطلق، والبيع من كل وجه اما المقايضة فتستوى فيه جهتا البيع والشراء، اما سائر المستهلكات ففي حكم الدراهم، ولذا جعلها في الهداية هي الاصل، وقال في سائرهن اعتبارا بالبيع بالدراهم[1] هذا كله ما خطر بالبال مستعجلا، فانعم الفكر منصفا متأملا، فان وجدت شيئا يعرف وينكر فلم آل جهدا في اتباع الغرر من ائمة النظر، والله الهادي الى عوالي الفكر۔

کرتا ہے کیونکہ بیع کی یہی صورت اصلی ہے، اور اشیاء سے تبادلہ میں تو بدلین پر قیمت اور بیع دونوں ہونے کا احتمال رہتا ہے، اس لئے صرف لفظ باع بھی اس مقصد پر دلالت کرنے کے لئے کافی ہے کہ حدیث میں لفظ "من باع" سے خاص وہی بیع مراد ہے جو دراہم کے بدلے اپنی ذات کے تمول وانتفاع کے لئے ہو۔

شبہہ اور اس کا جواب | اگر کوئی یہ کہے کہ دیگر مستہلکات سے بھی تو بقول آپ کے بیچنا منع ہے، تو آپ کے اس قول کا کیا وزن رہا کہ لفظ بیع پر غور کرنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ بیع ممنوع بالدراہم ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ دیگر مستہلکات کے ساتھ بیع کی ممانعت دراہم کے ہی تابع ہوکر ہے، اصالۃً نہیں، اسی لئے تو ہدایہ میں دراہم کو ہی اصل قرار دیا، اور بقیہ کو اسی پر قیاس کرتے ہوئے فرمایا: اعتبارا بالبیع بالدراہم (دراہم کی بیع پر قیاس کرتے ہوئے)۔

www.alahazratnetwork.org

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

ولا یباع[2] اھ فاشار ان المراد بالبیع ھو الذی یقصد به الانتفاع ۱۲ منه قدس سره۔

کیا جاتا ہے اور گوشت میں غالب یہی ہے کہ اس سے نفع حاصل کیا جاتا ہے اور اسے فروخت نہیں کیا جاتا اھ، تو اس سے اشارہ ہوا کہ بیع سے مراد صرف وہ ہے جس سے انتفاع مقصود ہو ۱۲ منہ قدس سرہ۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی ۴/۴۴۸

[2] غایۃ البیان

(تنبیہ نفیس) اقول وبھذا التحقیق استبان والحمد للہ معنی قول الھدایۃ "وباع الجلد او اللحم بالدراھم او بما لاینتفع بہ الا بعد استھلاکہ تصدق بثمنہ[1] اھ" فانما معناہ اذا باع بھا لاجل الانتفاع لا البیع بھا مطلقاً فانہ رحمہ اللہ تعالٰی ونفعنا ببرکاتہ فی الاولٰی والاخرٰی قال اولا یعمل منہ آلۃ تستعمل فی البیت[2]، ثم قال "ولاباس بان یشتری بہ ماینتفع بہ فی البیت بعینہ مع بقائہ[3]"، ثم قال "ولا یشتری بہ مالاینتفع بہ الا بعد استھلاکہ[4]" وقال فی تعلیلہ "اعتبارا بالبیع بالدراھم[5]"، قال "والمعنی فیہ انہ تصرف علی قصد التمول[6]"، ثم قال "ولو باع الجلد او اللحم[7] الخ" فکلامہ کلہ، بدؤہ وثناؤہ وفتحہ وانتھاؤہ فی البیع لاجل الانتفاء لا مطلق البیع، کیف ولوارید المطلق لماساغ قولہ "ولا یشتری بہ مالاینتفع بہ" الخ فان شراء ذٰلک لاجل التصدق جائز قطعا ولما صح قولہ "اعتبارا بالبیع بالدراھم" لمثل مابینا

عبارتِ ہدایہ کی تشریح | ہماری اس تحقیق سے ہدایہ کے مندرجہ ذیل قول کے معنی بالکل واضح ہوگئے اور مانعین کا استدلال باطل ہوگیا، "اگر جلد یا گوشت کو دراہم یا ایسی چیزوں کے ساتھ بیچا جنھیں ختم کئے بغیر ان سے انتفاع نہ ہوسکے تو اس کی قیمت صدقہ کرے۔"

(۱) اس عبارت میں بیچنے سے مراد اپنی ذات کیلئے بیچنا ہے، مطلقاً نہیں۔ کیونکہ پہلے انھوں نے یہ فرمایا کہ کھال سے گھریلو کام کے لئے کوئی سامان بنایا جاسکتا ہے، پھر کہا ایسی چیز جسے باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھایا جائے ——— اس سے بدل بھی سکتے ہیں، تو ان دو مسئلوں میں انتفاع ذاتی ہی کا بیان ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایسی چیز سے نہ بدلیں جو استعمال میں خرچ ہوجائے، تو یہ ممانعت بھی ذاتی استعمال والی ہی بیع کے لئے ہوئی، اب اسی بیع کی ممانعت کی علت بیان فرماتے ہیں کہ یہ بیع بالدراہم کی طرح ہے، تو ظاہر ہے کہ اس سے وہی بیع بالدراہم مراد ہوگی، جو ممنوع ہے، صدقہ کے لئے تو دراہم کے عوض بیچنا جائز ہی ہے، اور آگے اسی کے لئے فرماتے ہیں کہ اس میں معنیٔ تمول ہے، تو یہ کلام ابتدا سے انتہا تک پکار پکار کر اعلان کررہا ہے کہ اس بیع سے مراد ذاتی انتفاع

---

[1] تا ۵ الھدایۃ — کتاب الاضحیۃ — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۴/۴۴۸

وبطل تعليله بانه "تصرف على قصد التمول" فليس كل بيع بالدراهم مما يصدق عليه ذلك كما اسلفنا تحقيقه، وقوله "ولو باع الجلد الخ" انما هو متفرع على تلك المسئلة فلا يراد به الا ما اريد بها، كانه لما بين عدم جواز ه لنشاء السوال فقيل اذا لم يجز هذا، فان فعله فاعل فما ذا عليه، فاجاب بانه يتصدق بثمنه ثم نشأ السوال بان قولكم هذا يفيد صحة البيع فكيف بحديث "من باع جلد اضحيته فلا اضحية له"[1] فاجاب "بانه الحديث انما يفيد كراهة البيع اما البيع جائز لقيام الملك والقدرة على التسليم"[2] وهذا دليل آخر على ان ليس الكلام فى مطلق البيع بالدراهم، فان البيع بها لاجل التصدق لا يكره اصلا، وقد بين هذا، فابين من هنا مولانا العلامة العلائى صاحب الدر حيث قال بعد قول المولى الغزى رحمهما الله تعالى "تصدق بثمنه اه مفاده صحة البيع

والی بیع ہے مطلقاً بیع نہیں، ورنہ حضرت کی ان عبارتوں کے کوئی معنیٰ نہ ہوں گے "ما لا ینتفع بہ" (جس سے نفع نہ اٹھایا جا سکے) اعتباراً بالبیع بالدراھم (بیع بالدراہم پر قیاس کرتے ہوئے) وانہ تصرف علی قصد التمول (یہ تمول کی نیت سے تصرف ہُوا) اور اسی کے بعد صاحب ہدایہ کی یہ متنازع عبارت "اگر جلد اور گوشت الخ" تو اس کا مطلب مطلقاً بیع کیسے ہو سکتا ہے، یہ تو اسی حکم پر متفرع ہے، گویا کسی نے پوچھا کہ ذاتی اغراض کے لئے جو بیع بالدراہم ہوئی وہ تو ناجائز ہوئی، اب جو پیسہ اس سے حاصل ہوا کیا کیا جائے، تو فرمایا وہ مال خبیث ہے، اس کا صدقہ واجب ہے، اس پر گویا پھر کسی نے پوچھا آپ کے حکم "یہ مال خبیث ہے" سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بیع ہُوئی مگر فاسد، اور حدیث مبارک "لا اضحیۃ لہ" سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بیع باطل ہے، تو اس کا جواب اس طرح دیا کہ "الحدیث انما یفید الکراھۃ" یعنی حدیث سے بھی بطلان ثابت نہیں، مراد کراہت ہی ہے، کیونکہ بیع کے تو تمام ارکان پائے گئے کہ جانور بیچنے والے کی ملک ہے، اور مشتری کو اس پر قبضہ بھی دلا سکتا ہے، اس لئے بیع تو ہو گئی، مگر قصد تمول اور عدم بقائے بدل

---

[1] المستدرک للحاکم کتاب التفسیر (تفسیر سورۃ الحج) دار الفکر بیروت ۲/۳۹۰
[2] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸

www.alahazratnetwork.org

مع الکراھۃ ، وعن الثانی باطل لانہ کالوقف مجتبیٰ[1] اھ فقد نص ان قول التنویرؒ کالھدایۃ تصدق بثمنہ" یفید کراھۃ البیع، فمحال ان یکون الکلام فی مطلق البیع بالدراھم ، بل فی الصورۃ المکروھۃ فقط ، وھی المساومۃ فی قولہ" لایشتری بہ مالاینتفع بہ" الی قولہ "تصرف علی قصد التمول[2] ومن اوضح الدلائل علی ذلک ایضا تعلیل الکافی[3] لمسئلۃ الھدایۃ بقولہ لان معنی التمول سقط عن الاضحیۃ فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدلہ فوجب التصدق اھ فافاد ان الکلام انما ھو فی صورۃ التمول لا غیر، ولذا جاء تصویر المسئلۃ فی التبیین ومجمع الانھر وغیرھما من الاسفار الغر بلفظۃ "لایبیعہ

کی وجہ سے فاسد ہوئی۔

(۲) صاحبِ ہدایہ کا یہ بعد والا کلام بھی اس بات کی دلیل ہے کہ بیع سے ان کی مراد مطلقاً بیع بالدراہم نہیں کیونکہ تصدق کے لئے بیچنے کو تو سبھی جائز کہتے ہیں۔

(۳) یہیں سے "صاحب درمختار" کے کلام کا مطلب بھی واضح ہوگیا جو انھوں نے امام غزی کے قول "تصدق بثمنہ" کی شرح میں فرمایا ہے، اس کا مفاد یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے مگر فاسد ہے، البتہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس جانور کو وقف کی طرح قرار دے کر اس کی بیع کو باطل قرار دیا، اس عبارت میں اس بات کی صراحت ہے کہ تنویر کا لفظ تصدق بثمنہ بالکل ہدایہ کی عبارت تصدق بثمنہ کی طرح ہے، جو مطلب اس کا ہے وہی تنویر کی عبارت کا بھی ہے، تو ایسی صورت میں محال ہے کہ اس عبارت میں مطلق بیع مراد ہو، بلکہ وہی مراد ہے جو ہدایہ کی عبارت "لایشتری بہ مالاینتفع" سے تصرف علی قصد التمول تک میں مراد ہے۔

(۴) اس مقصد پر اس سے بھی واضح دلالت کافی شرح وافی کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

---

[1] درمختار — کتاب الاضحیۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۲/۲۳۴
[2] الھدایۃ — " — مطبع یوسفی لکھنوی — ۴/۴۴۸
[3] الکافی شرح الوافی

بالدراھم علی نفسہ وعیالہ[1]، فقد اوضحوا المرام، واز احوا الاوھام، وھذا دلیل رابع علی ما ذکرت، والخامس الوتر واللہ یحب الوتر، ان نقل کلام التبیین فی الھندیۃ ثم قال" وھکذا فی الھدایۃ و الکافی" اھ[2] فقد افصح بملأ فیہ ان معنی کلام التبیین والھدایۃ واحد۔

"قربانی کے جانور سے تمول کے معنی کی نفی ہو جاتی ہے لیکن جب اس کو تمول یعنی کسبِ زر کی نیت سے بیچا تو اب پھر وہ اضحیہ سے نکل گیا، تو اب اس کا صدقہ واجب ہوگا۔"

تو انھوں نے تو نص ہی کر دیا کہ ممانعت کا حکم صورت تمول میں ہے، کسی اور صورت میں نہیں، اس لئے اس مسئلہ کو تبیین، مجمع الانہر وغیرہ کتابوں میں اس طرح بیان کیا گیا: "کھال کو اپنے اور بال بچوں کے لئے دراہم کے عوض نہ بیچے"۔ تو انھوں نے تو تتمہ ہی لگانہ چھوڑا، یہ چوتھی دلیل ہوئی۔

(۵) اور پانچویں صاحبِ ہندیہ کا یہ کلام کہ انھوں نے صاحبِ تبیین کے کلام کو نقل کر کے فرمایا: "یہ مسئلہ اسی طرح ہدایہ اور کافی وغیرہ میں ہے"۔ تو انھوں نے تو منہ بھر کر گواہی دے دی کہ صاحبِ تبیین اور ہدایہ کی عبارت کا مطلب ایک ہی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

ثم بعد زمان لما من سبحنہ وتعالی علی عبدہ الضعیف بشراء غایۃ البیان شرح الھدایۃ للعلامۃ الاتقانی رحمہ اللہ تعالی، رأیتہ شرح کلامہ بما لم یبق للوھم مجالا، حیث قال یرید بہ ان القربۃ فاتت عن الجلد بما باعہ ولکن الاضحیۃ ساقط عنھا معنی التمول، فلما باعہ بالدراھم وجب علیہ التصدق بھا، لئلا یلزم التمول بشئ من الاضحیۃ اوبدلھا[3] فافاد کالکافی وغیرہ ان المنفی عنہ

اس کے بعد غایۃ البیان علامہ اتقانی رحمۃ اللہ علیہ دیکھنے کی توفیق ہوئی تو انھوں نے تو اوہام کے سارے بادلوں کا صفایا کر دیا فرماتے ہیں: "ہدایہ کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کھال کی بیع کے بعد اس سے قربت اور ثواب ہونے کے معنی ختم ہو گئے حالانکہ قربانی سے کسبِ زر اور حصولِ زر کی غرض ساقط ہے، تو جب دراہم سے اس کو بیچ دیا، تو اس کا صدقہ واجب ہے تاکہ قربانی یا اس کے معاوضہ سے کسی قسم کا تمول نہ لازم آئے۔"

تو انھوں نے بھی کافی کی طرح یہ بات صاف

---

[1] تبیین الحقائق — کتاب الاضحیۃ — المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر — ۶/۸

[2] فتاوی ہندیۃ — الباب السادس — نورانی کتب خانہ پشاور — ۵/۳۰۱

[3] غایۃ البیان

هو البیع للتمول ، وزادان المراد بیع یفوت القربة فخرج البیع لاقامة قربة ، فانه لا یفوتها بل یحصلها وهو تقرب لا تمول ، فاتضح الصواب وزال الارتیاب ، والحمد للہ فی کل باب ، هکذا ینبغی التحقیق اذا ساعد التوفیق ، ومن المولیٰ تعالیٰ هدایة الطریق ، فقد بان بنعمة اللہ جل وعلا ان البیع بالدراهم لیس مما یمنع مطلقا بل اذا کان علی جهة التمول ، وهو الذی یورث الخبث وعلیه یتفرع وجوب التصدق ، اما اذا باع بها لیصرفها فی القربات ، فذلك سائغ وسائر وجوه القرب مطلقة حینئذ لا حجر فی شئ منها۔

کردی کہ ہدایہ کی عبارت سے مراد وہ بیع ہے جو تمول کے لئے ہو، اور اتنا اضافہ فرمایا کہ یہ وہ بیع ہے جس سے کارِ ثواب اور قربت ہونے کی نفی ہوتی ہے، تو وہ بیع اس حکم ممانعت سے خارج ہوگئی جو ادائے قربت اور حصولِ ثواب کے لئے ہو، والحمد للہ رب العلمین۔

تو یہ امر واضح ہوگیا کہ ممنوع مطلقاً بالدراہم نہیں، بلکہ جب تمول کے طور پر ہو یہی بدل میں خبث پیدا کرتی ہے، اور اسی سے تصدق واجب ہوتا ہے، اور کارِ ثواب کے لئے بیچنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ وہ کارِ ثواب کسی قسم کا ہو۔

www.alahazratnetwork.org

بذلك افتیت غیر مرة وکتبت فیه فتوی مفصلة اذ سئلت عنه لتسع بقین من ذی الحجة عام الف و ثلثمائة وخمس من هجرة من لولاه ما صلیت الخمس ، ولا لاح قمر ولا بزغت شمس ، ولا اقبل غد ولا ادبر امس علیه وعلی اله الغر الکرام افضل صلاة واکمل سلام واخری مجملة اذ ورد علی السؤال لسبع خلون من ذی القعدة الحرام فی العام الذی یلی ذلك العام

میں نے بارہا یہی فتویٰ دیا اور اس موضوع پر ایک مفصل فتویٰ ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۰۵ھ کو لکھا، اور دوسرا مجمل فتویٰ آئندہ سال ذی القعدہ میں دیا، یہ دونوں فتاوٰی میرے فتاوٰی کی چوتھی جلد میں ہیں تو میرے ان فتووں کی مخالفت ہندیوں کی ایک جماعت نے شروع کی جن میں اکثر وہابیہ ہیں، ان کا خیال ہے کہ کھال کی بیع دراہم کے ساتھ مطلقاً ناجائز ہے، خواہ نیت کارِ ثواب کی ہی کیوں نہ ہو، ان کا صدقہ کرنا واجب ہے، وہ بھی اسی طرح کہ فقیر کو اس کا مالک بنا دے، کسی بھی

وھما مثبتتان فی المجلد الرابع من مجموعة فتاوی المبارکة ان شاء اللہ تعالٰی الملقبة بالعطایا النبویة فی الفتاوی الرضویة جعلھا اللہ نافعة للمسلمین ومقبولة لدی العالمین وحجة لعبدہ یوم الدین اٰمین الٰہ الحق اٰمین۔

فعند ذٰلك نازعنی شرذمة من الھندیین اکثرھم من الوھابیة المبطلین زاعمین ان البیع بالدراھم مطلقا ولو للقربات یوجب التصدق حتی لایجوز لہ الصرف الی مانوی من القرب بل لایخرج عن العھدة الا بالاداء الی الفقیر علی وجہ التملیك، واحتج الاصاغر منھم علی ذٰلك بعبارتی الھدایة والدر المذکورتین، وقد بینا ماھو المراد بھما واثبتنا عرش التحقیق علی انہ لامساس لشئ منھما بمزعوم القوم، فاغنانا ذٰلك عن الاسترسال مرة اخری فی رد کلامھم، فانہ لشدة وھن نفسہ غنی عن ابھان غیرہ، فلئن سألتھم ھل الکلام ھھنا اعنی فی قول الھدایة والدر فی بیع یکرہ لا فی غیرہ، لیقولن نعم، ولئن سألتھم ھل البیع بالدراھم یکرہ مطلقا لیقولن لا، قل فانی تذھبون، ولئن قالوا فی الاول لا، لقضت علیھم حجتھم نفسھا بالخطأ والجھالة ولئن

دوسرے مصرف میں خواہ مصرف خیر ہی کیوں نہ ہو، صرف کرنا جائز نہیں، اصاغر نے تو ہدایہ اور درمختار کی انھیں دونوں عبارتوں سے سند پکڑی، جس کا مفصل بیان اُوپر گزرا، تو ہم کو دوبارہ ان کی تردید کرنی ضروری نہ تھی، ان کی بات حد درجہ کمزور ہے، کیونکہ ان سے خود پوچھ دیکھو کہ ہدایہ اور درمختار کی عبارت بیع مکروہ کے بیان میں ہے، یا کسی دوسری کے بیان کے لئے، تو کہیں گے بیع مکروہ کے لئے، پھر ان سے پوچھو کیا کھال کی بیع مطلقاً مکروہ ہے تو کہیں گے نہیں، تو اب فیصلہ کے لئے کیا باقی رہ گیا ہے، اور اگر اول میں پلٹ کر جواب دیں کہ صرف بیع مکروہ کی نہیں، تو ان کا نفس انھیں خود جھٹلائے گا، اور ثانی میں اگر کہیں ہاں، تو ان کی بات خود انھیں کو جھٹلا رہی ہے کیونکہ وہ بھی صدقہ کے لئے بیع جائز قرار دیتے ہیں، اور اگر وہ اس بیع کے جواز کا انکار کرینگے تو ہم ان کو نصوص علماء کے لشکروں سے آسودہ کردیں گے۔

www.alahazratnetwork.org

قالوا فی الاخر نعم ، فکلامهم انفسهم مناد علیهم بالبهت والبطالة ، فانهم ایضا معترفون بجواز البیع للتصدق من دون کراهة ، وان لم یعترفوا لاتیناهم بجنوٗ من نصوص العلماء لایقبل لهم بها ، فناهیک بهذا القدر مثبتا لهم ، ومزیلا لوهم عرض بالهم۔

ولکنی اقول لاغرو من نفر قاصرین لایکادون یمیزون بین الغیث والسمین والرخیص والثمین والمدین والضمین والشمال والیمین ، انما العجب من کبیرهم الکنکوهی المدعی طول الباع وعظم الذراع علی ما فیه من انواع الابتداع حیث زاد غباوة علی الاتباع واخذ یتشبث بما قد مناعبارتی العینی والکافی "انه تصرف علی قصد التمول" الی قوله "فیکون خبیثا

اگر یہ جھوٹے لوگ غلطی میں پڑگئے جو موٹے اور دُبلے، سستے اور مہنگے، اور دائیں بائیں کی تمیز نہیں رکھتے تو تعجب کی بات نہ تھی، تعجب تو اس بات پر ہے کہ ان سب کے امام گنگوہی صاحب جو طول باع وعظم ذراع رکھتے ہیں انھوں نے کیسے یہ فتوٰی دیا اور اپنی سابقہ گمراہیوں میں اضافہ کرلیا اور سند میں عینی اور کافی کی عبارت پیش کی، ہدایہ اور دُرر کی عبارت ہی ان کے خلاف حجت تھیں، لیکن عینی اور کافی کی عبارتیں تو ان کا صریح رَد ہیں،

عہ هذا کان اذ ذاک ثم ترقی به الحال فی الغوایة والضلال فوقع فی الکفر البراح واختار الارتداد الصراح واستحب العمی علی الهدی نعوذ بالله من الهلاك والردی ولاحول ولاقوة الا بالله العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سره العزیز۔

یہ حکم تو اس کے حال سابق پر تھا پھر گمراہی اور ضلالت میں اس کا حال مزید ترقی کرگیا پس وہ کفر ظاہر میں جا پڑا اور ارتداد صریح کو اختیار کیا اور ہدایت پر گمراہی کو اختیار کیا، ہم ہلاکت و بربادی سے اللہ تعالٰی کی پناہ مانگتے ہیں لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العزیز الحکیم ۱۲ قدس سرہٗ (ت)

فیجب التصدق ، وانه اذا تمولها بالبیع[1] الی قوله فوجب التصدق[2] فان کلامی الهدایة والدرر، وان کانا حجتین علیهم لا لهم ، لکن لا کهاتین الناصتین بان الکلام فی صورة التمول لامطلق التبدل ، لا سیما کلام الامام البدر المبین کالبدر ، ان وجوب التصدق لاجل الخبث و الخبث لکراهة البیع ، وکراهة البیع لقصد التمول، فیالیت شعری فیظن الرجل ان کل تبدل بمستهلك تمول ، فیحکم بکراهة البیع به مطلقا ، ام لایدری الفرق بین التمول والتقرب حتی یحتج علی الضد بالضد، ام یجیز قیاس المباین علی المباین ، والخبیث علی الطیب ، والمنهی عنه علی المأذون فیه ، بل المندوب الیه فهل هذا الاشئ نکرا ، وامرأمرا ، وایاما کان فالی الله الضراعة لمنح البراعة ومنع الشناعة ۔

قال الرجل هداه الله تعالیٰ الی مسلك اهل السنة والجماعت ، اذا باع المضحی جلد اضحیته بالدراهم سواء کان البیع للتمول او بنیة التصدق تعین تصدق ثمنه کالنذر وهذا هو معنی الصدقة الواجبة۔

خصوصاً ہدایہ کی عبارت میں تو تصدق کی علت خبث کو قرار دیا ہے، اور خبث کی وجہ بیع کی کراہت کو تسلیم کیا ہے، اور بیع کی کراہت کی وجہ تمول کو گردانا ہے تو کیا یہ آدمی دراہم کے ساتھ بیع کو مطلقاً بیع متمول گردانتا ہے، یا تمول اور تقرب کا فرق نہیں جانتا، یا ضد کو ضد پر قیاس کرنے کو اور خبیث کو طیب پر محمول کرنے کو اور بیع منہی عنہ کو بیع جائز پر اعتبار کرنے کو روا قرار دیتا ہے، یہ کتنی شنیع بات ہے، ہم خدا کی اس سے پناہ مانگ رہے ہیں۔

رد | اللہ تعالیٰ اس شخص کو مذہب اہلسنت وجماعت کی ہدایت دے۔ اس نے کہا، "قربانی کرنیوالے نے جب جلد دراہم کے عوض بیچ دی تو تمول (کسبِ زر) کی نیت ہو یا صدقہ کی اس کے دام کا صدقہ کرنا واجب ہوگیا جیسے نذر کا صدقہ واجب ہوتا ہے، عینی نے شرح ہدایہ میں کہا یہ قصد تمول پر تصرف ہے اور قربانی کسبِ زر کا ذریعہ ہونے سے نکل چکی ہے، تو جب بیچ کر کسبِ زر کیا تو صدقہ واجب ہوگیا کیونکہ یہ ثمن فعل مکروہ سے حاصل کیا تو خبیث ہوگا اور صدقہ واجب"۔ اور کافی میں ہے جب اس سے تمول کیا تو قربت کمال سے منتقل ہو کر اس کے بدل میں چلی گئی تو اس کا تصدق واجب ہوا۔

اس کلام سے کم از کم یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ شخص

---

[1] البنایۃ فی شرح الہدایۃ کتاب الاضحیۃ المکتبۃ الامدادیۃ مکۃ المکرمۃ ۲/۱۹۰
[2] الکافی شرح الوافی

قال العینی فی شرح الھدایۃ انہ تصرف علی قصد التمول وقد خرج عن جھۃ التمول فاذا تمولہ بالبیع وجب التصدق لان ھذا الثمن حصل بفعل مکروہ ، فیکون خبیثا فیجب التصدق اھ وفی الکافی فاذا تمولھا بالبیع انتقلت القربۃ الی بدلہ فوجب التصدق اھ[1] معربا ملخصا۔

اقول دلّنا کلامک ھذا علی تعیین الشق الاخیر من الشقوق الثلثۃ المارّۃ فی قولی ، یالیت شعری فعرفنا بتردیدک ان لیس کل بیع بمستھلک تمولا عندک وانک ماتزبین التمول وغیرہ ، وان بدلت التقرب بالتصدق جھلا منک ، اوتجاھلا مع علمک ان الکلام فی سائر القرب دون التصدق فاذن لااجد لاحتجاجک بکلام الکافی مثلا ، الاکمن ادعی ان من صلی اثم سواء کانت صلاتہ للہ تعالٰی او لغیرہ واحتج علیہ بقولہ عزوجل "قل یٰایھا الکٰفرون ۵ لا اعبد ما تعبدون[2] ۵" فان کان الدلیل یتم بان یکون اخص من المدعا مع عدم المساس بالجزء المقصود منہ المتنازع فیہ اصلا ، فلا اری احدا من

تمول اور تقرب کے فرق سے آگاہ ہے تبھی تو بیع تمول اور بیع تقرب کو دو علیحدہ قسمیں قرار دے کر حرفِ تردید سے بیان کیا کہ تمول ہو یا صدقہ کی نیت دام کا صدقہ واجب ہوگیا ، ہاں لاعلمی یا تجاہل عارفانہ میں لفظ تقرب کو تصدق سے بدل دیا کیونکہ کلام تو مطلقاً کارِ ثواب کے لئے بیع کرنے سے متعلق ہے۔

الغرض اس کلام سے اب سمجھ میں آیا کہ بات وہی آخری ہے کہ اس شخص کے نزدیک ضد مخالف سے استدلال جائز ہے ، اس استدلال کی کیفیت ایسی ہی ہے جیسے کوئی کہے عبادت خدا کی ہو یا غیرِ خدا کی سب ناجائز ہے۔ دلیل اس کی قرآن عظیم میں ہے : لا اعبد ما تعبدون ، تو ما تعبدون دیکھا ہی نہیں لا اعبد سے استدلال کر دیا۔ اسی طرح صاحبِ کافی کی عبارت تو بیعِ تمول کی ممانعت میں ہے اور آپ نے مطلقاً بیع حرام کر دی۔

یہ تو عبارتِ کافی سے استدلال کا حال ہے ، اور عینی سے استدلال کی حالت تو اور ردی ہے ، اس لئے کہ وہ نص کرتے ہیں کہ اس کا تصدق اس لئے واجب ہے کہ مالِ خبیث ہے ، اور یہ صورت بیع تمول کے سوا اور کسی صورت میں ہو ہی نہیں سکتی ، تو آپ کا اس عبارت سے استدلال اندھیری رات

---

[1] ؎

[2] القرآن الکریم ۱۰۹/ ۱ و ۲

المبطلين يعجز عن اقامة الف دليل على دعواه هذا احتجاجك بالكافي، اما التمسك بكلام البدر فبرأك الله من ان تنقص درجة عمن يدعي وجود الليل البهيم مُسبل الاستار يحتج عليه بوجود الشمس في وسط السماء بازغة تبهر الابصار۔

کے ثبوت میں سورج پیش کرنے کے مرادف ہے' اس شخص نے کہا "کافی اور عینی کی عبارتوں سے ثابت ہوگیا کہ اس کھال کے دام کا تصدق واجب ہے' تو وہ صدقہ واجبہ ہوا، اور اس کا مصرف وہی ہے جو صدقہ واجبہ کا مصرف ہے، تو اسے مسجد یا مدارس کی تعمیر میں صرف نہیں کر سکتے۔

قال "فقد اتضح بهاتين الروايتين وجوب التصدق واذا وجب الصدقة فكونها صدقة واجبة واضح بنفسه فلا يكون مصرفها الا مصرف الصدقة الواجبة كما هو ظاهر، فلا يجوز صرفه الى بناء المساجد والمدارس[1] اهـ بالتقريب

گنگوہی صاحب کی اس عبارت کا اگر یہ مطلب ہے کہ ان عبارتوں سے یہ ثابت ہے کہ بیع تمول کے لئے ہے تو قیمت کا صدقہ واجب ہے، تو یہ بات صحیح ہے، بیشک اگر بقصد تمول بیع کی تو اس کا تصدق واجب ہے، اور اگر یہ مطلب ہے کہ کسی کارِ ثواب کی غرض سے بیع کیا تب بھی تصدق واجب ہے، تو یہ بات ان دونوں عبارتوں سے ہرگز ثابت نہیں، اور اگر آپ کے استدلال کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ عبارت میں صدقہ واجبہ کا لفظ مل جائے، چاہے جس باب اور جس بیان میں ہو تو

اقول ان اريد الوجوب عند التمول فنعم، ولا كلام فيه، او عند التقرب فلا ولا كرامة، واى اثر له في دليلك فما ثبت بهما لا نزاع فيه، وما فيه النزاع لم يثبت بهما، وان كان بحسبك ان يقع في كلام الاصحاب لفظ وجوب التصدق في اى مسئلة من اى باب، فنعم لدعواك في كل كتاب، دلائل عدد الرمل والتراب۔

قال والصدقة مطلقا لابد فيها من التمليك سواء كان اباحة او تمليكا تاما[2] اهـ

---

[1]

[2]

اقول یا لیتك اذلم تهتد الی الصواب قنعت ، بما من قبل صنعت ، ونفسك عن الاسترسال منعت ، ولكنك احببت ان تزيد فی الطنبور نغمة ، وفی الشطرنج بغلة ، فابتدعت القول بان الاباحة من التمليك وانها تجزئ فی الصدقة مطلقا ، فجعلت القسيم قسما ، والضد ندا مع ان كلمات العلماء فی مسائل الاباحة غير قليلة ولا خفية ، بل دوارة فی كثير من ابواب الفقه ، منها الطهارات ، ومنها الزكوٰة ، ومنها الطلاق ، ومنها اللقطة ، ومنها الهبة ، ومنها الكراهية وغير ذلك وهذا شرح الوقاية للامام الجليل صدر الشريعة اول كتاب تدارسه فی الفقه ، افاد فيه رحمه الله تعالٰی فی اول كتاب الطهارات من باب التيمم ، ان القدرة ثبت بطريق الاباحة ، وبطريق التمليك ، فان قال صاحب الماء لجماعة من المتيممين ليتوضأ بهذا الماء ايكم شاء ، والماء يكفی لكل واحد منفردا ينتقض تيمم كل واحد لثبوت القدرة لكل واحد علی الانفراد ، اما اذا قال هذا الماء لكم وقبضوا لا ينتقض تيممهم لانه يبقٰی

یہ دونوں عبارتیں ہی کیا ہیں، ہر کتاب میں آپ کے مدعا پر سیکڑوں دلیلیں موجود ہیں۔ اس شخص نے کہا: "صدقہ میں مطلقاً تملیک واجب ہے عام ازیں کہ بطور اباحت ہو یا بطور تملیک۔"

آدمی کو صحیح بات نہ معلوم ہو تو جتنا ہو چکا اسی پر صبر کرنا چاہئے اور دراز لسانی سے پرہیز کرنا چاہئے، لیکن آپ نے تو ایک نئے سُر کا اضافہ کرنا چاہا، اور شطرنج کے کھیل میں گدھے کو بھی داخل کر دیا کیونکہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ اباحت بھی تملیک کا ایک حصہ ہے، اور صدقہ واجبہ تملیکیہ میں بھی اباحت سے کام چل جائے گا، افسوس کہ اس کلام میں قسیم کو قسم اور ضد کو شریک بنا دیا گیا حالانکہ ان دونوں کی تفریق کے بیان میں کتابوں کے ابواب بھرے پڑے ہیں، ابواب طلاق و لقطہ و ہبہ و کراہیہ وغیرہ میں کثرت سے یہ مسائل ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

ہم لوگ فقہ میں جو اول کتاب امام صدر الشریعۃ کی شرح وقایہ پڑھاتے ہیں اس میں کتاب الطہارۃ کی ابتدا میں ہی لکھتے ہیں: "پانی پر قدرت اباحت سے بھی حاصل ہو جاتی ہے اور تملیک سے بھی، تو پانی والے نے ایک پوری جماعت سے اگر یہ کہا تم میں سے جو چاہے اس پانی سے وضو کرے، اور پانی کسی ایک کے وضو بھر تھا، پوری جماعت کا وضو ٹوٹ جائے گا، کیونکہ علٰی سبیل الانفراد سب کی قدرت ثابت ہو گئی۔ اور اگر یوں کہا کہ اس پانی پر تم سب قبضہ کر لو، تو تیمم نہ ٹوٹے گا، کیونکہ اتنا پانی جب

على ملك الواهب ولم تثبت الاباحة لانه لما بطل الهبة بطل ما فی ضمنها اھ ملخصا ونحوہ فی الفتح والبحر وغیرھما، فانظر کیف باینوا بینھما، واسمع کیف اثبتوا الاباحة لکل منفردا بقول المالك لیتوضأ منه ایکم شاء، مع بداھة انه لاتثبت بقوله ھذا شئ من الملك لکل منھم، ولا لاحدھم افما کنت درست ھذا، اوما دریت ولا وعیت ضابطالھم، ان ماشرع بلفظ اطعام وطعام جازفیه الاباحة، وما شرع بلفظ ایتاء واداء شرط فیه التملیك[2]، کما فی ظھار الدر ومجمع الانھر وغیرھما فافتح العین، ھل ھما قسیمان، او احدھما قسم من الاخر.

سب کو ہبہ کیا اور تقسیم نہیں کیا تو ہبہ مشاع ہونے کی وجہ سے وہ ہبہ باطل ہوا، اور کسی کے لئے اباحت ثابت نہ ہوئی۔ ایسا ہی فتح اور بحر وغیرہ میں ہے۔

تملیک اور اباحت کا فرق اس عبارت سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ پہلی صورت میں اباحت ثابت فرماتے ہیں، اور دوسری صورت جو ہبہ اور تملیک کی طرح ہے، اس میں اباحت کی نفی فرماتے ہیں، اگر دونوں ایک ہی ہوتے تو ایک کا ثبوت اور دوسرے کی نفی کیسے ہوتی۔ درر اور مجمع الانہر میں ایک مشہور و معروف ضابطہ مصرح ہے "مالک نے کسی کھانے کی چیز کی اجازت لفظ "اطعام" سے دی کہ "اسے فلاں کو کھلادو" تو اس میں اباحت کافی ہے، اور جس کو "ایتاء" سے اجازت دے کہ "اسے فلاں کو دے دو" تو اس میں تملیک ضروری ہے"۔ تو آنکھ کھول کر دیکھ لیجئے کہ تملیک و اباحت آپس میں قسیم ہیں، یا ایک دوسرے کی قسم!

www.alahazratnetwork.org

اوما علمت ان مولی الغزی لما قال ان الزکوٰة تملیك[3] الخ قال المحقق العلائی خرج الاباحة[4]، او ما عرفت ان الامام صدر الشریعة لما قال فی النقایة تصرف تملیك[5] کما

امام غزی نے فرمایا "الزکوٰۃ تملیک، زکوٰۃ میں فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے"۔ علامہ علائی فرماتے ہیں "اس سے اباحت نکل گئی"۔

---

[1] شرح الوقایۃ — کتاب الطہارۃ — المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی — ۱/۱۰۵-۱۰۶

[2] درمختار — باب کفارۃ الظہار — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۲۵۱

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر — باب الظہار — دار احیاء التراث العربی بیروت — ۱/۴۵۳

[3] درمختار شرح تنویر الابصار — کتاب الزکوٰۃ — مطبع مجتبائی دہلی — ۱/۱۲۹

[4] " " " " " " — ۱/۱۲۹

[5] مختصر الوقایۃ فی مسائل الہدایۃ — " فصل مصرف الزکوٰۃ — نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی — ص ۳۷

یعنی الزکاۃ قال العلامۃ الشمس محمد فی شرحہا فیہ اشارۃ الی انہ لایجوز صرف الاباحۃ[1] الخ اوما عقلت ما افاد العلامۃ البحر فی لقطۃ البحر، اذ قال انما فسرنا الانتفاع بالتملک لانہ لیس المراد الانتفاع بدونہ کالاباحۃ[2]، او ما وقفت علی قول السید الشامی فی لقطۃ رد المحتار ان التصرف علی وجہ التملک احتراز عن التصرف بطریق الاباحۃ علی ملک صاحبہا[3] اھ اوما سمعت العلماء یصرحون فی غیر ما موضع ان المباح لہ، انما یتصرف علی ملک المبیح لاحظ لہ من الملک اصلا، حتی لم یثبتوا لہ ملکا بعد زوال ملک المالک، ایضا قال المولی زین بن نجیم فی شرح الکنز فان قیل المباح لیستہلکہ المباح لہ، علی ملک المبیح او علی ملک نفسہ، قلت اذا صار ما کولا زال ملک المبیح عنہ، ولم یدخل فی ملک احد[4] اھ واثرہ عنہ العلامۃ الطحطاوی فی حاشیۃ الدر، ھذا وکم اسر لک یا ھذا من نقول الاسفار، وھی فی الوفور والاستکثار،

امام صدر الشریعۃ نے فرمایا: (الزکوٰۃ) تصوف تملیکاً" زکوٰۃ تملیک کے طور پر خرچ کی جائے گی۔ علامہ شمس محمد نے اس کی شرح میں کہا: اس میں اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو کسی کے لئے مباح کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

اسی طرح علماء کی تصریح ہے: "جو چیز مباح کی وہ مباح کرنے والے کی ملک پر باقی رہتی ہے جس کے لئے مباح کی گئی، اس کو اس کی ملک سے کوئی تعلق نہیں رہتا" ——— "وہ تو یہاں تک فرماتے ہیں: "مالک کی ملک زائل ہو جائے تب بھی ضروری نہیں کہ مباح لہ کی ملک ثابت ہو۔"

مولانا زین ابن نجیم شرح کنز میں فرماتے ہیں: "مباح کو مباح لہ مباح کرنے والے کی ملک پر ہی ختم کرتا ہے، یا وہ چیز خود اپنی ہی ملک پر ہوتی ہے کوئی اس کا مالک نہیں۔"

مطلب یہ ہے کہ جب مباح لہ نے اس چیز کو کھا لیا، تو وہ چیز مباح کرنے والے کی ملک سے نکل گئی، اور کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوئی، حتی کہ کھانے والے کی ملک بھی نہ ہوئی، یہی مطلب ہے ملک نفسہ کا۔ ان کا یہ قول ملا علی قاری نے اپنی کتاب حاشیۃ در میں پیش کیا، الغرض اگر میں نقل کرنے پر

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/ ۳۳۸

[2] بحر الرائق کتاب اللقطۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۱۵۸

[3] رد المحتار " دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۲۱-۳۲۰

[4] بحر الرائق باب الظہار فصل فی الکفارۃ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۴/ ۱۰۹

www.alahazratnetwork.org

ماتنتهی دون نقله الاعمار، وانا بحمد الله عالم بمناط غلطك، ومثار لَغَطك وسأُنبهك علیه عن قریب، انشاء المولی القریب المجیب، واما ما اوهمت من اجزاء الاباحة فی الصدقات مطلقا، فواضح البطلان عند کل من یعلم ان الزکاة وصدقة الفطر لاتغنی فیهما الاباحة علی المذهب الصحیح المفتی به، وقد قدمنا نصوص النقایة و التنویر والدر، وضابط الدر و شرح ملتقی الابحر، وسیأتی زیادة علی ذلك ان اراد المالك۔

آؤں تو ایسی نصوص کا انبار لگ جائے جو تملیک اور اباحت کے فرق کا اعلان کر رہی ہیں۔

اسی طرح اس کلام کا یہ ٹکڑا کہ "صدقات میں مطلقاً اباحت کافی ہے" یہ بھی غلط ہے، اتنی بات تو ہر آدمی جانتا ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ فطر میں اباحت کافی نہیں، ہم نے اس بات کے جزئیات تنویر اور در سے پہلے نقل کئے، اور در کا ضابطہ بھی نقل کیا، آئندہ مزید تفصیل کریں گے، تو اس قائل کا کلام از تا پا مخدوش ہی مخدوش ہے اور ہمیں مزید رد کی ضرورت نہیں۔

وبالجملة کلام الرجل کلام مدهوش من قرنه الی قدمه مخدوش، ونحن اذ قد اوضحنا المرام واتحفنا الاوهام بتوفیق ربنا الملك العلام، فلا علینا ان نقصر الکلام ونطوی بساط الرد والابرام والحمد لله ولی الانعام۔

www.alahazratnetwork.org

تذییل جلیل: قال العبد الذلیل بعد هذا، وقفت علی تحریر اُخز لبغض حبلة العصر من افاضل اهل السنة جنح فیه نحو ماجنح اولئك القوم، وحکم ان لابد ههنا من التملیك متمسکا بما تعریبه حکم جلود الاضاحی ان یتصدق بها اوینتفع بها بنفسه اویستبدلها بما ینتفع به مع بقاء کالغربال والسجادة وغیرهما، ففی صورة

ایک سُنّی عالم کا فتویٰ البتہ علمائے اہلسنت میں سے بھی ایک بزرگ نے اسی قسم کی بات کہی جو گنگوہی صاحب سے مذکور ہوئی، ان کا کلام یہ ہے:

"قربانی کی کھال کا حکم یہ ہے کہ اس کا صدقہ کیا جائے یا اس کو خود استعمال کیا جائے، یا اس کو باقی رہنے والی چیز سے بدلا جائے، جیسے چھلنی، مصلّٰی وغیرہ، تو تصدق کی صورت میں تملیک ضروری ہے۔"

انھوں نے اپنے کلام سے نہ تو یہ ثابت کیا کہ

التصدق لابد من التمليك[1] اھ حاصلہ معربا۔

اقول هذا الكلام كما ترى لا يكاد يرجع الى طائل، فان لزوم التمليك فى التصدق لا يستلزم لزومه فى التقرب، ولم يُلْمَ كلامكم بايجاب التصدق ههنا عينا ونفى سائر وجوه التقرب شيئا فالصغرى المطوية هى التى كانت محتاجة الى البيان وقد طويتموها و طويتم الكشح عن بيانها فاختل البرهان، وكان ملحظ هذا الفاضل ومحط نظره ان حكم الجلود اذا كان دائرا بين الاشياء الثلثة، و بالبيع بالدراهم ولو لاجل التقرب انتفى الاخيران، فتعين الاول، وهو لابد فيه من التمليك هذا غاية ما يقال فى تقرير كلامه، على حسب مرامه هنّأه ربه بلطفه واكرامه فالآن۔

اقول وبالله التوفيق وبه الوصول الى ذرى التحقيق، اعلم ان للصدقة اطلاقات، الاول اخصها تمليك المال من الفقير مجانا، فخرج الاعارة والاباحة وهدية الغنى والاقراض وهذا هو المراد فى الزكوٰة وصدقة الفطر، وبهذا المعنى يقال ان الصدقة لابد فيها من التمليك وحينئذ لا تدخل فيها الكفارات لجواز الاباحة

کمال کا صدقہ صدقہ واجبہ ہے، نہ یہ ثابت کیا کہ اس کو کسی اور کارِ ثواب میں نہیں لگایا جا سکتا، حالانکہ یہی دلیل کا صغریٰ ہے، بے اس کے ثبوت کے دلیل ہی بیکار رہے، ان بزرگ کی غلطی کی بناء یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ قربانی کی کھال صدقہ کرنے، بعینہٖ اس سے انتفاع حاصل کرنے، یا باقی رہنے والی چیز سے استبدال میں منحصر ہے، اور جب بعینہٖ انتفاع اور استبدال بالباقی کی صورت نہ پائی گئی، تو تصدق معین ہوگیا، اور اس میں تملیک ضروری ہے (اللہ تعالٰے انھیں اپنے لطف سے نوازے) یہ ان کے کلام کی انتہائی توجیہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

لیکن قابلِ غور امر یہ ہے کہ شرع میں صدقہ کا اطلاق متعدد چیزوں پر ہوتا ہے:

(۱) تملیک المال من الفقیر" اس صورت میں عاریۃ، اباحۃ، ہدیۂ غنی، قرض وغیرہ سب صدقہ سے نکل گئے، اور صدقۂ فطر اور زکوٰۃ میں لفظ صدقہ سے یہی مراد ہوتی ہے اور اسی صدقہ کے لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں تملیک ضروری ہے، تو صدقہ کفارہ اگرچہ صدقہ واجبہ ہے، لیکن اس معنیٰ

---

[1] ؎

فیھا قطعاً[1]، ولذا قال فی ظھار التنویر، صحت الاباحۃ فی طعام الکفارات والفدیۃ دون الصدقات والعشر اھ[2] قال السیدان الفاضلان احمد الطحطاوی ومحمد الشامی (قولہ دون الصدقات) ای الزکوٰۃ وصدقۃ الفطر اھ[3] فانظر کیف اخرج الکفارات من الصدقات۔

میں وہ صدقہ نہیں کیونکہ اس میں اباحت بھی جائز ہے، تنویر میں ہے:

"کفارہ اور فدیہ کے صدقہ میں اباحت جائز ہے، صدقات اور عشر میں نہیں۔"

لفظ صدقہ کی تفسیر میں شامی اور طحطاوی نے کہا: "صدقات سے مراد زکوٰۃ اور صدقہ فطر ہے۔" یہاں کفارہ صدقہ واجبہ ہونے کے باوجود صدقات سے خارج ہے۔

الثانی تمکین الفقیر من المال مجانا، وھنا یقطع النظر عن التملیک ویکتفی

(۲) "فقیر کو مال پر قابو دے دینا" یہاں تملیک سے قطع نظر ہوتی ہے، اور یہ انتفاع، تصرف اور

عہ ای فی نوع الطعام منھا اما الکسوۃ فی کفارۃ الیمین فلا تکفی فیھا الاباحۃ کما فی البحر وغیرہ فلیحفظ ھذا المراد، وانا اقول خروج الکسوۃ ضروری فان الاباحۃ انما تکون ماینتفع بہ باستھلاکہ کالمأکولات والمشروبات، والکسوۃ لیس ھکذا کما لایخفی والحاصل ان عندی فرقا بین الاباحۃ والاعارۃ مطلقا، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز۔

یعنی ان اقسام میں سے طعام میں اباحت ہے لیکن کفارہ یمین میں لباس میں اباحت کافی نہیں ہے لیکن جیسا کہ بحر وغیرہ میں ہے تو اس مراد کو محفوظ رکھو اقول (اور میں کہتا ہوں) لباس کا خروج یہاں ضروری ہے کیونکہ اباحت صرف ایسی چیز میں ہوسکتی ہے جس کو ہلاک کرکے انتفاع حاصل کیا جائے جیسے ماکولات مشروبات جبکہ لباس ایسی چیز نہیں ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے، حاصل یہ کہ میرے نزدیک اباحت اور عاریۃ دینے میں فرق ہے، واللہ تعالٰی اعلم ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] درمختار شرح تنویر الابصار کتاب الطلاق باب الکفارۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۲۵۱
[2] رد المحتار علی الدر المختار " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۸۴
[3] حاشیۃ الطحطاوی " " " " دار المعرفۃ بیروت ۲/۲۰۲

باطلاق الانتفاع، والتصرف والاستهلاك الصادق به وبالاباحة وبهذا المعنى تشمل الكفارات فتعد من الصدقات الواجبة كما قال القهستاني والشامي وغيرهما في مصرف الزكوٰة "انه هو مصرف ايضا لصدقة الفطر والكفارة والنذر وغير ذلك من الصدقات الواجبة"[1] وبه علم ان هذين المعنيين لايتعداهما الواجب من الصدقات والخلط بينهما كانه هو الذي حدا ذاك الرجل الوهابي ان جعل الاباحة من التمليك، وذلك انه رأى في الفتح مايقصر الصدقة على التمليك ورأى في ردالمحتار مانقلنا انفا وهو يفيد ان الكفارة ايضا من الصدقات، وقد نقل العبارتين في فتواه فاظن انه نظم منهما شكلا و استنتج منه ان الكفارة لابد فيها من التمليك، وكان دار يا ان الاباحة تسوغ فيها، فلم يتمالك نفسه ان حكم بكون الاباحة قسما من التمليك لانه اضطربت لديه الاقوال، وضاق عليه ميدان المجال، ولم يدر التفصي عن الاشكال الا بابداء هذا المحال، ولم يعرف المسكين فرق المحال، وان تغير الاوسط يهدم الاشكال

استہلاک سبھی صورتوں کو شامل ہوتا ہے جو تملیک اور اباحت دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے، صدقہ اس معنی میں کفارہ پر بولا جاتا ہے جو صدقہ واجبہ سے ہے اس کو لینے کا اہل وہی ہے جو زکوٰۃ کا اہل ہے، چنانچہ قہستانی وشامی وغیرہ نے کہا:

"جو فقیر مصرف زکوٰۃ ہے وہی صدقۂ فطر، کفارات اور نذر وغیرہ کا مصرف ہے"۔

صدقہ کے یہ دونوں معنی صدقات واجبہ میں ہی متحقق ہونگے، شاید اسی بات نے اس وہابی آدمی کو یہ جرأت دلائی کہ اس نے اباحت کو بھی تملیک میں شمار کیا کہ انھوں نے فتح القدیر میں دیکھا: صدقہ کے لئے تملیک ضروری ہے" اور ردالمحتار کی ابھی نقل شدہ عبارت میں دیکھا کہ کفارہ بھی صدقات میں سے ہے۔ یہ دونوں عبارتیں اس نے اپنے فتوٰی میں نقل کی ہیں اور اس سے قیاس ترتیب دے کے یہ نتیجہ نکالا کہ کفارہ کے لئے بھی تملیک ضروری ہے، اور یہ جان ہی رہے تھے کہ کفارہ میں اباحت ہے تو اس فیصلہ میں اپنے نفس پر قابو نہ پا سکے کہ اباحت بھی تملیک کا ہی ایک حصہ ہے کیونکہ اقوال انھیں مضطرب نظر آئے اور ان میں تطبیق دے نہ پائے تو یہ محال بات بول دی اور قیاس ترتیب دیتے ہوئے انھیں یہ پتہ نہ چلا کہ حدِ اوسط مکرر نہ ہونے سے نتیجہ غلط ہوتا، فتح القدیر کی عبارت "الصدقة

---

[1] ردالمحتار بحوالہ القہستانی کتاب الزکوٰۃ باب المصرف دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/ ۵۸

فان التی یجب فیما التملیك ھی الصدقة بالمعنی الاخص الوارد فیھا لفظ الایتاء او الاداء او مایؤدی مؤداھما ، والکفارات لیست من الصدقات بھذا المعنی ، فلا شکل ولا اشکال والحمد للہ المھیمن المتعال ، علی انه ان قطع النظر عن ھذا التحقیق النفیس الانیس الدقیق ، فکان السبیل ان یقال باستثناء الکفارات من حکم وجوب التملیك کما فعل الفاضل القھستانی حیث قال تحت قول النقایة تصرف تملیکا یستثنی منه اباحة الکفارة[1] اھ لا ان یرتکب مثلك ھذا المحال ، وباللہ العصمة عن الزلل والضلال ھذا اما وعدناك فلنعد الی شرح اطلاقات الصدقة۔

یجب فیه التملیك" میں صدقہ سے مراد صدقہ خاص بمعنی اول ہے ، اور "الکفارات تجوز فیه الاباحة" کا صدقہ ہونا بمعنی ثانی ہے ، حالانکہ قہستانی ان کی راہ کشا وہ کر چکے تھے ، وہ فرماتے ہیں "انه تصرف تملیکا یستثنی منه الکفارات" صدقات واجبہ میں تملیک ضروری ہے لیکن کفارہ اس سے مستثنیٰ ہے۔

الثالث وربما یقطع النظر عن الفقر ایضا ، فتشمل التملیك والاباحة للفقیر والغنی ، قال فی التوسط شرح سنن ابی داؤد الصدقة ما تصدقت به علی الفقراء ای غالب انواعھا کذلك فانھا علی الغنی جائزة عندنا یثاب به بلاخلاف[2] اھ و قال فی

(۳) صدقہ کا ایک اطلاق یہ ہے کہ تملیک اباحت اور فقیر و غنی ، دونوں کو عام ہو ، توسط شرح ابوداؤد میں ہے :

"صدقہ یہ ہے کہ فقیروں کو دیا جائے (مطلب یہ کہ صدقہ میں عموماً یہ ہوتا ہے) ورنہ صدقہ ہمارے نزدیک مالداروں کو بھی دینا جائز ہے۔"

---

[1] جامع الرموز کتاب الزکوٰۃ فصل مصرف الزکوٰۃ مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۲/۳۸-۳۳۷

[2] التوسط شرح سنن ابوداؤد

ردالمحتار عن البحر الرائق الصدقة تكون على الاغنياء ایضا وان کانت مجازا عن الھبۃ عند بعضھم وصرح فی الذخیرۃ بان فی التصدق علی الغنی نوع قربۃ دون قربۃ الفقیر[1] اھ وروی احمد والطبرانی فی الکبیر عن المقدام بن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ، قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انک ما اطعمت زوجتک فھو لک صدقۃ وما اطعمت ولدک فھو لک صدقۃ وما اطعمت خادمک فھو لک صدقۃ[2]، وله فیه عن ابی امامۃ الباھلی رضی اللہ تعالٰی عنہ عن النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما انفق الرجل فی بیتہ واھلہ وولدہ فھو لہ صدقۃ۔

ردالمحتار میں بحرالرائق سے منقول ہے: "صدقہ مالداروں پر بھی ہوتا ہے کہ مجازاً ہبہ کو صدقہ کہتے ہیں، اور ذخیرہ میں تشریح ہے کہ مالدار کا صدقہ فقیروں کے صدقہ سے کم ثواب والا ہوتا ہے۔

احمد وطبرانی نے کبیر میں مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کی: "رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں جو بیوی کو کھلایا تو صدقہ، جو اولاد کو کھلایا تو صدقہ، جو خادم کو کھلایا وہ بھی صدقہ۔"

طبرانی میں ابوامامہ باہلی رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت ہے: "آدمی اپنے گھر میں جو کچھ اہل وعیال اور خادموں پر خرچ کرتا ہے وہ سب صدقہ ہے۔"

الرابع ربما تطلق حیث لاتملیک و لا اباحۃ اصلا وانما ھو تصرف مالی قصد بہ نفع المسلمین کحفر الآبار وکروی الانھار وبناء الربط والجسور والمساجد والمدارس وغیر ذلک، وعن ھذا تقول انھا صدقات جاریۃ، ومن ذلک قولھم فی الاوقاف صدقۃ مؤبدۃ، وعلیہ جاء قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

(۴) اس اطلاق میں نہ تملیک ہے نہ اباحت، یہ ایک قسم کا تصرف مالی ہے جس سے مسلمانوں کو نفع پہنچانا مقصود ہوتا ہے، جیسے کنواں بنانا، نہریں تیار کرنا، مسافرخانے اور پل بنانا، مساجد اور مدرسوں کی تعمیر کرنا، اور انھیں امور خیر میں صرف کرنے کو صدقہ جاریہ کہتے ہیں، اور اوقاف کو اسی معنی میں صدقہ موبدہ کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے: "حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے پاس

---

[1] ردالمحتار کتاب الوقف دار احیاء التراث العربی بیروت ۳/ ۳۵۷
[2] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/ ۲۶۸
[3] " ۷۴۷۶ " " " ۸/ ۱۱۲

www.alahazratnetwork.org

اذا اتاہ سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فقال یارسول اللہ امی مانت فای الصدقۃ افضل ، قال سقی الماء ، فحفر بئرا ، و قال ھذہ لام سعد[1] ، کما اخرجہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ وابن حبان والحاکم عن سعد وابو یعلی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ فقد سمی سقی الماء بحفر البئر صدقۃ ، ومعلوم ان لا تملیک فیہ ولا اباحۃ ، فان من شرطھا ان یکون الماء فی ملک المبیح کما لا یخفی علی احد وقد قال صدر الشریعۃ انھم لما لم یملکوہ لا تصح اباحتھم اھ[2] وقد نص علماؤنا ان ماء البئر غیر مملوک لصاحبھا ، ففی الھدایۃ البئر و نحوھا ما وضع للاحراز ولا یملک المباح بدونہ[3] ، وفی فتاوی العلامۃ خیر الدین الرملی

حضرت سعد ابن عبادہ رضی اللہ تعالٰی عنہ آئے اور عرض کی "یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے تو کون سا صدقہ اسے مفید ہوگا ؟ حضور نے فرمایا ، لوگوں کو پانی سے سیراب کرنا ۔ انھوں نے ایک کنواں کھدوادیا اور اعلان کر دیا کہ یہ سعد کی ماں کے لئے ہے ۔" (احمد وابوداؤد ونسائی ، ابن ماجہ ، حاکم ، ابن حبان عن ابی یعلٰی عن ابن عباس)

تو اس حدیث میں پانی کی سیرابی کو صدقہ قرار دیا جس میں نہ تملیک ہے نہ اباحت ، کیونکہ اباحت کے لئے شرط یہ ہے کہ شئی مباح ، مباح کرنیوالے کی ملک ہو ۔ صدر الشریعہ فرماتے ہیں ، "جب مال موقوفہ پر مالکوں کی ملک نہ رہی تو ان کی طرف سے اباحت بھی درست نہیں ۔"

اس طرح علماء نے تصریح فرمائی ، کنویں کا پانی کنویں والے کی ملک نہیں ۔"

ہدایہ میں ہے : "کنواں اور اس کے مثل جو چیزیں ہیں قبضہ کرکے نہیں رکھی گئیں ، اور قبضہ کے بغیر مباح پر ملک ثابت نہیں ہوتی ۔"

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فضل سقی الماء آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۳۶
سنن النسائی کتاب الوصایا فضل الصدقۃ عن المیت نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ۲/۱۳۲
مسند احمد بن حنبل حدیث سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۵/۲۸۵ و ۶/۷
موارد الظمآن الی زوائد ابن حبان کتاب الزکوٰۃ باب سقی الماء المطبعۃ السلفیۃ مکۃ المکرمۃ ص ۲۱۸

[2]

[3] الہدایۃ کتاب احیاء الموات فصل فی المیاہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۸۳

فی الولوالجیۃ وکثیر من الکتب لو نزح ماء بئر رجل بغیر اذنہ حتی یبست لا شئ علیہ[1] لان صاحب البئر غیر مالک للماء اھ فاذن لا یکون الا تقربا الی اللہ تعالٰی بتصرف فی مالہ لنفع المسلمین وعلٰی ھذا سائر القرب المالیۃ سواء فی دخولھا فی معنی الصدقۃ۔

فتاوٰی خیریہ، ولوالجیہ وغیرہ بہت سی کتابوں میں ہے: "اگر کسی نے کسی کے کنویں کا پانی نکال کر کنواں خشک کر دیا تو نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں اس لئے کہ کنویں والا پانی کا مالک نہیں"۔ تو یہ صدقہ اسی معنٰی پر ہے کہ اللہ کے تقرب کے لئے اپنا مال مسلمانوں کے نفع کے خاطر صرف کر رہا ہے، اور اس معنی میں سارے مالی کار خیر، صدقہ قرار دیئے جانے میں برابر ہیں۔

وقد قال الامام فقیہ النفس قاضی خان فی الخانیۃ قریۃ فیھا بئر مطویۃ بالاجر خربت القریۃ، وانقرض اھلھا وبقرب ھذہ القریۃ قریۃ اخری فیھا حوض یحتاج الی الاجر فارادوا ان ینقلوا الاجر من القریۃ التی خربت و یجعلوھا فی ھذا الحوض، قالوا ان عرف باقی تلک البئر لا یجوز صرف الاجر الا باذنہ، لانہ عاد الی ملکہ وان لم یعرف الباقی قالوا الطریق فی ذلک ان

اطلاق نمبر۴ کی دوسری مثال امام فقیہ النفس قاضیخان فرماتے ہیں: "ایک دیہات میں پختہ کنواں تھا، دیہات اُجڑ گیا اور کنواں معطل ہوگیا، اس کے قریب دوسرے دیہات والوں نے اس کی اینٹیں اپنے حوض میں لگانی چاہیں، اگر کنویں کا بنانے والا موجود ہے تو اس سے اجازت لینی ضروری ہے کیونکہ تعطل کے بعد اینٹیں بانی کی ملک ہوگئیں، اور بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ اینٹیں فقیر کو دے دی جائیں اور وہ اپنی طرف سے اس کو حوض میں لگا دے، کیونکہ وہ اینٹیں اب لقطہ

---

[1] قلت ای لا ضمان لان الاتلاف صادف مباحا غیر مملوک لاحد اما التعزیر فینبغی ان یکون فیما یظھر اذا فعلہ لمحض الاضرار ولا ضرر ولا ضرار فی الاسلام ۱۲ منہ۔

میں کہتا ہوں یعنی ضمان نہیں ہے کیونکہ یہ ایسی مباح چیز کا اتلاف ہے جس کا کوئی مالک نہیں ہے لیکن تعزیر مناسب ہوگی جبکہ وہ بطور ضرر رسانی ایسا کرے کیونکہ اسلام میں ضرر و ضرار کی ممانعت ہے ۱۲ منہ (ت)

---

[1] فتاوٰی خیریۃ کتاب احیاء الموات فصل فی مسائل الشرب دار المعرفۃ بیروت ۲/ ۱۸۶

یتصدق بها علی فقیر، ثم ذلك الفقیر ینفقها فی ذلك الحوض، لانه بمنزلة اللقطة والاولی ان ینفق القاضی فی هذا الحوض، ولاحاجة فیه الی التصدق علی الفقیر[1] اھ، وفی الهندیة عن الواقعات الحسامیة، فیما اذا لم یعلم الغارس، الحکم فی ذلك الی القاضی ان رأی بیعها وصرف ثمنها الی عمارة المقبرة فله ذلك[2] اھ وقال فی الخانیة قبله نبت الاشجار بعد اتخاذ الارض مقبرة فان علم غارسها کانت للغارس وان لم یعلم فالرأی للقاضی ان رأی ان یبیع الاشجار وتصرف ثمنها الی عمارة المقبرة فله ذلك، وتکون فی الحکم کانها وقف[3] اھ

قلت ای فی انه مال مصروف الی وجوه البر، اما الوقف فلا لما فی الخانیة ایضا، رجل جعل ارضه مقبرة، وفیها اشجار عظیمة، قال الفقیه ابوجعفر رحمه الله تعالی وقف الاشجار لا یصح، فتکون الاشجار للواقف، ولورثته

(گری پڑی چیز) کے حکم میں ہے، اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ قاضی اپنے حکم سے اسے حوض میں لگادے، اس طرح فقیر کو دینے والے حیلہ سے نجات مل جائے گی۔"

عالمگیری اور واقعات حسامیہ میں ہے:

"اگر قبرستان میں درخت لگانے والے کا پتہ نہ چلے تو قاضی اپنی صوابدید پر اس کو بیچ کر اس کی قیمت قبرستان کی درستگی میں صرف کرسکتا ہے۔"

خانیہ میں ہے: "زمین کو مقبرہ بنانے کے بعد اس میں درخت اگ آئے، لگانے والا معلوم ہو تو وہ اسی کا ہے، اور لگانے والا معلوم نہ ہو تو رائے قاضی کی ہے، اسے بیچ کر قبرستان کی مرمت میں لگاسکتا ہے، اس کا حکم وقف ہی کا ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ جس طرح وقف ایک ایسا مال ہے جو مصارفِ خیر کے لئے ہی ہے اسی طرح اس درخت کا مصرف بھی مصارفِ خیر ہیں، وہ درخت خود وقف نہیں ہوجاتا۔ اسی خانیہ میں ہے: "ایک آدمی نے زمین مقبرہ کے لئے وقف کی جس میں درخت ہیں، فقیہ ابوجعفر کا فرمان ہے کہ چونکہ درختوں کا وقف صحیح نہیں اس لئے وہ درخت واقف کے

---

[1] فتاوی قاضیخان — کتاب الوقف — فصل فی الوقف المنقول الخ — نولکشور لکھنؤ ۴/۷۲۵

[2] فتاوی ہندیۃ — 〃 — الباب الثانی عشر — نورانی کتب خانہ پشاور ۲/۴۷۴

[3] فتاوی قاضیخان — 〃 — فصل فی الاشجار — نولکشور لکھنؤ ۴/۷۲۴

www.alahazratnetwork.org

ان مات ، وکذا البناء فی الدار التی جعلها مقبرة اھ[1] ومعلوم ان حکم اللقطة هو التصدق الا ان یکون الملتقط فقیرا، فیصرفه الی نفسه ، وهو ایضا من باب التصدق من المالك ، بل قال فی الدر المختار عن العمدة وجد لقطة وعرفها ولم یرد بها فانتفع بها لفقره ثم ایسر یجب علیه ، ان یتصدق بمثله اھ[2] وان کان المختار خلافه کما فی البحر والنهر ، عن الولوالجیة ، والهندیة وجامع الرموز عن الظهیریة قلت لان الصدقة اصابت محلها فلا تتغیر بتغیر حاله کفقیر اخذ الزکوٰة ثم ایسر لیس علیه ردها ، وبالجملة الحکم ههنا التصدق وقد نصوا علی جواز صرفه الی عمارة المقبرة و اصلاح الحوض ، ومن ذلك مافی الرحمانیة عن الاجناس ، اذا خرب مسجد ولا یعرف بانیه وبنی اهل المسجد مسجدا آخر ثم اجمعوا علی بیعه، واستعانوا بثمنه فی ثمن المسجد الآخر فلا باس به ، وهذا قول محمد خلافا لابی یوسف فانه مسجد ابدا عنده اھ[3] ، وفی السراجیه مسجد عتیق لا یعرف بانیه خربت فاتخذ بجنبه

ہوں گے، اور وُہ مرگیا تو اس کے ورثہ کی ملک ہوں گے، اور یہی حکم اس کمرہ کا ہے جو ایسے دار میں ہو جس کو مقبرہ کر دیا گیا ہو۔"

رحمانیہ کا جزیہ ہے: "مسجد ویران ہوگئی جس کے بانی کا پتہ نہیں، اور لوگوں نے دوسری مسجد بنالی، پھر ان کی رائے ہوئی کہ ویران مسجد بیچ کر اُس کی قیمت اِس مسجد میں لگائیں، تو امام محمد کے نزدیک اس میں حرج نہیں، اور قاضی ابویوسف کے نزدیک وہ ایسا نہیں کرسکتے کہ وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی۔"

سراجیہ میں ہے: "پرانی مسجد جس کے بانی کا پتہ نہیں وہ ویران ہوگئی، لوگوں نے اسی کے قریب دوسری مسجد بنالی، تو قاضی ابویوسف کے نزدیک ویران مسجد کا سامان بیچ کر آباد مسجد میں نہیں لگاسکتے، اور امام محمد کو اس میں اختلاف ہے، اور فتوٰی قاضی ابویوسف رحمہم اللہ تعالٰی کے قول پر ہے۔"

اس کی وجہ یہی ہے کہ مسجد جب ڈھے کر ناقابلِ استعمال ہوگئی اور لوگ مستغنی ہو گئے، تو امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مالک باقی ہوجاتا ہے، اور جب بانی کا پتہ نہ چلے تو وہ لقطہ ہوگئی اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس کو دوسری مسجد کی تعمیر

---

[1] فتاوٰی قاضی خاں کتاب الوقف فصل فی المقابر والرباطات نولکشور لکھنؤ ۴/۷۲۵

[2] درمختار کتاب اللقطۃ مطبع مجتبائی دہلی ۱/۳۶۶

[3] رحمانیہ

مسجد اخر، لیس لاھل المسجد ان یبیعوہ ویستعینوا بثمنہ فی مسجد اٰخر، عند ابی یوسف خلافا لمحمد وعلیہ الفتوی[1]۔

وذلك ان المسجد اذا خرب والعیاذ باللہ واستغنی عنہ یعود عند محمد الی ملك الباني، کما فی التنویر وغیرہ فاذا لم یعرف بانیہ صار لقطۃ، وقد قال الامام محمد ح صرفہ الی مسجد اخر فعلم ان التصدق المامور بہ فی اللقطۃ ھو بھذا المعنی الرابع الداخل فیہ الصرف الی المقابر والحیاض والمساجد، وھذہ الاطلاقات کلھا فقھیۃ کما تری۔

میں صرف کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

توجب ہجو قسم کی اشیاء کا حکم لقطہ کا ہوا تو یہ بات صاف ہوگئی کہ اس کا حکم صدقہ کرنا ہے، ہاں پانے والا فقیر ہو تو اپنے اوپر خرچ کرے کہ یہ بھی صدقہ ہے، بلکہ درمختار میں عمدہ سے نقل کیا کہ فقیر نے لقطہ پایا اور اس کو اپنے اوپر خرچ کیا، پھر مالدار ہو گیا تو اس کا صدقہ کرے، اگرچہ فتوی اس کے خلاف ہے (بحر و نہر عن الولوالجیہ وجامع الرموز من الظہیریہ)

میں کہتا ہوں قرینِ قیاس بھی یہی ہے کہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا، تو حالت کے بدلنے سے اس کا حکم نہیں بدلے گا، جیسے فقیر مالِ زکوٰۃ کھاتا رہا اب مالدار ہو گیا، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ جتنی زکوٰۃ کھائی سب واپس کر اور فقیروں پر صدقہ کر۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ایسے مال کا حکم صدقہ کا ہے اور اسی کو عمارتِ مقبرہ اور اصلاحِ حوض میں صرف کا حکم دیتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ صدقہ کا یہ اطلاق اسی چوتھے معنی میں ہے اور اس کو مقابر، حوض اور مسجد میں صرف کرنا صدقہ ہی ہے حالانکہ نہ یہاں تملیک ہے نہ اباحت، نہ مالدار نہ فقیر، اور یہ بھی واضح ہو کہ یہ سارے اطلاقات فقہیہ ہیں۔

الخامس قد یتوسع فیقطع النظر عن قید المال ایضا، ویطلق علی کل نفع للغیر بایصال الخیر او دفع الضیر، کیفما کان، ومن ذلك حدیث تکرار

(۵) کبھی صدقہ سے مال ہونے کی قید بھی ختم کر دیجاتی ہے، اور مطلقاً غیر کو نفع پہنچانے، اور اس سے ضرر دفع کرنے کو صدقہ کہا جاتا ہے، اس کی مثال وہ حدیث ہے کہ منفرد کے ساتھ مل کر جماعت

---

[1] فتاوی سراجیہ کتاب الوقف باب اجارۃ الوقف وبیعہ نولکشور لکھنؤ ص ۹۳

الجماعة المروی فی جامع الترمذی وغیرہ الرجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ[1] وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل سلامی من الناس علیہ صدقۃ کل یوم تطلع فیہ الشمس تعدل بین الاثنین صدقۃ بینھما، وتعین الرجل علی دابتہ فتحمل علیھا، او ترفع لہ علیھا متاعہ صدقۃ والکلمۃ الطیبۃ صدقۃ و دل الطریق صدقۃ و تمیط الاذٰی عن الطریق صدقۃ[2]، اخرجہ احمد والشیخان عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ، وقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ما من رجل مسلم یصاب بشئ فی جسدہ فیتصدق بہ الا رفعہ اللہ بہ درجۃ وحط عنہ خطیئۃ[3]، اخرجہ احمد والترمذی وابن ماجۃ عن ابی الدرداء واحمد والضیاء نحوہ عن عبادۃ رضی اللہ تعالٰی عنھما باسناد صحیح۔

کرنے کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں حکم دیا:

"الا رجل یتصدق علی ھذا فیصلی معہ کوئی اس پر صدقہ کرے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے"۔

یوں ہی سرکار نے فرمایا، "آدمی کے ہر جوڑ پر ہر دن صدقہ ہے، تو دو آدمیوں کے بیچ انصاف کرنا صدقہ ہے، آدمی کو جانور پر سوار ہونے میں مدد دینا صدقہ ہے، اس کا بوجھ لاد دینا صدقہ ہے، اچھی بات صدقہ ہے، راستہ بتانا صدقہ ہے، راستے سے کوڑا کرکٹ دور کر دینا صدقہ ہے۔ (احمد و مسلم و بخاری عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

یونہی یہ حدیث شریف: "آدمی کے جسم میں تکلیف ہو تو جو اس پر صدقہ کرے اور مدد کرے تو اللہ تعالٰی اس کا درجہ بلند کرے گا اور گناہ معاف کرے گا (احمد، ترمذی، ابن ماجہ عن ابی الدرداء احمد وضیاء نحوہ عن عبادہ باسناد صحیح)

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الجمع فی المسجد مرتین آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۸۵
جامع الترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی الجماعۃ فی مسجد الخ امین کمپنی دہلی ۱/۳۰
[2] صحیح البخاری کتاب الجہاد باب من اخذ بالرکاب ونحوہ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۱۹
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ باب بیان ان اسم الصدقۃ یقع علی کل نوع من المعروف قدیمی کتبخانہ کراچی ۱/۳۲۵
مسند احمد بن حنبل مسند ابوہریرہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/۳۱۶
[3] جامع الترمذی ابواب الدیات باب ماجاء فی العفو امین کمپنی دہلی ۱/۱۶۷
سنن ابن ماجہ " باب العفو فی القصاص ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ص ۱۹۷
مسند احمد بن حنبل بقیہ حدیث ابی الدرداء المکتب الاسلامی بیروت ۶/۴۴۸

السادس قد یستقصی فی التوسع فیقطع النظر عن الغیر ایضا و یطلق علی کل فعل حسن محمود فی الشرع فانه ان لم یکن تصدقا علی غیرہ، فتصدق علی نفسه، ومن ذلك قوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم فی حدیث ابی هریرة المار کل خطوة تخطوها الی الصلوٰة صدقة[1]، وجاء فی حدیث کل تکبیرة صدقة[2]۔ وقد قال صلی الله تعالٰی علیه وسلم کل معروف صدقة[3] اخرجه احمد والبخاری و اٰخرون عن جابر، واحمد ومسلم وابوداؤد عن حذیفة والطبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، والبیهقی فی الشعب عن ابن عباس رضی الله تعالٰی عنهم، زاد عبد بن حمید والحاکم وصححه فی حدیث جابر هذا وما انفق المسلم من نفقة علی نفسه واهله کتب له بها صدقة[4]، وتتمه حدیث المقدام المقدم

(۶) اور کبھی لفظ صدقہ بھی توسع کی انتہا ہو جاتی ہے کہ ہر فعل محمود و مشروع کو صدقہ کہتے ہیں کہ دوسرے پر صدقہ نہ ہو تو اپنے پر تو ہے۔

"مسجد کی طرف بڑھنے والا قدم صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، ہر نیکی صدقہ ہے (احمد و بخاری و آخرون عن جابر، احمد، مسلم، ابوداؤد عن حذیفہ، طبرانی فی الکبیر عن ابن مسعود، بیہقی عن ابن عباس) عبد ابن حمید اور حاکم نے اس حدیث میں اتنا اضافہ کیا اور حاکم نے اس کی تصحیح کی: "مسلمان نے اپنے اور اہل و عیال کے لئے جو خرچ کیا اس پر صدقہ کا ثواب ملے گا۔"

نمبر ۳ میں ذکر کی ہوئی حدیث مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تتمہ یہ ہے: "اور جو خود کھایا صدقہ ہے۔"

ان اطلاقات کو خوب ذہن نشین کر لیں، شاید کہ اس تحریر کے علاوہ اس تفصیل سے نہ ملے۔

اب صرف یہ فیصلہ رہ جاتا ہے کہ قربانی کے

---

[1] صحیح البخاری کتاب الجہاد قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۰۴ و ۴۱۹
صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ " " " ۱/۳۲۵
[2] " کتاب صلوٰۃ المسافرین " " " ۱/۲۵۰ و کتاب الزکوٰۃ ۱/۳۲۴
[3] صحیح البخاری کتاب الادب " " " ۲/۸۹۰
صحیح مسلم " " " " ۱/۳۲۴
سنن ابوداؤد " " " " ۲/۳۲۰
[4] مسند احمد بن حنبل ۵/۳۹۷ و المعجم الکبیر حدیث ۱۰۰۴، ۱۰۴۱۲ ۱۰/۱۱۰ و ۲۳۲
[5] فی المستدرک للحاکم کتاب البیوع دار الفکر بیروت ۲/۵۰

ذکرہ، وما اطعمت نفسك فهو لك صدقة[1]، اتقن هذا فلعلك لاتجد بیان تلك الاطلاقات الا فی هذه الورقات واللہ سبحٰنہ واهب العطیات۔

ثم ان المراد بالتصدق فی قولهم فی الاضاحی یتصدق بالثلث وقولهم یندب ان لا ینقص الصدقة عن الثلث لیس هو المعنی الاخص الاول، کیف وقد اجمعوا علی اباحة الاباحة فی القربان فلا یمکن تعیین الاخص المنحصر فی التملیك، ویتضح ذٰلك فی قول مجمع الانهر وغیرہ الجهات ثلث الاکل والادخار والتصدق اھ[2] فان الاطعام العام الغیر المخصوص بالتملیك المنصوص علیه فی قوله عزّ مجدہ واطعموا القانع والمعتر[3]، وقد استدل فی الهدایة بالاٰیة علی قول البدایة یستحب ان لا ینقص الصدقة عن الثلث، قائلا ان الجهات ثلث الاکل والادخار لما روینا والاطعام لقوله تعالٰی واطعموا القانع والمعتر وانقسم علیها اثلاثة اھ[4]

سلسلہ میں جس صدقہ کا ذکر آیا ہے وہ ان اطلاقات میں سے کس اطلاق کے تحت آیا ہے، تو یہ طے ہے کہ نمبر اول مراد نہیں، کیونکہ اس پر اجماع ہے کہ قربانی کے گوشت کو بطور اباحت کھلا سکتے ہیں تو اس معنی پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا جس میں تملیک ضروری ہے، اور یہ بات مجمع الانہر وغیرہ کے قول کے ملانے سے صاف ظاہر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ صاحبِ مجمع فرماتے ہیں: "قربانی کے مصرف کی تین حیثیت ہے: کھانا، جمع کرنا، صدقہ کرنا۔"

حالانکہ قرآن شریف میں کھلانے کا صریح ذکر ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ کھلانا جس میں اباحت کافی ہوتی ہے صاحبِ مجمع نے لفظ صدقہ کہہ کر اس کو بھی مراد لیا ہے۔

اسی طرح صاحبِ ہدایہ نے صاحبِ بدایہ کے اس قول کی دلیل دی: "صدقہ ثلث سے کم نہ ہونا چاہئے۔"

صاحبِ بدایہ کہتے ہیں: "اس لئے کہ جہتیں تین ہیں، کھانا، جمع کرنا، یہ تو حدیث سے ثابت ہے، اور کھلانا، یہ قرآن سے ثابت ہے کہ محتاج کو کھلاؤ، تو تینوں کے لئے ایک ایک ثلث رکھا گیا۔"

---

[1] المعجم الکبیر حدیث ۶۳۴ المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت ۲۰/۲۶۸
[2] مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ دار احیاء التراث العربی بیروت ۲/۵۲۱
[3] القرآن الکریم ۲۲/۶۳
[4] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/۴۴۸

فلوکان المراد بالصدقۃ ھو المعنی الاخص لما انطبق الدلیل علی المدعی کما لایخفی، واذقد علمت ان الصدقۃ لھا اطلاقات وان لزوم التملیک انما ھو فی المعنی الاوّل وانہ غیر مراد ھٰھنا، وجب ان لایکون مرادا ایضا قولھم یتصدق بجلدھا فان التصدق ھٰھنا ھو عین التصدق فی قولھم یتصدق بالثلث، یرشدک الیہ تعلیل الھدایۃ بقولہ لانہ کجزء منھا فثبت ان لیس تصدق الجلد مما یقتصر علی التملیک حتی لو صنع منہ دلوا، ووقفہ علی بئر مسجد لیستسقی بہ المتوضؤون جاز[عہ] قطعا فسقط الاحتجاج رأسا۔

اب اگر صاحبِ ہدایہ کے قول "صدقہ ثلث سے کم نہ ہو" میں لفظ صدقہ سے مراد وہ نہیں جس میں تملیک ضروری ہو، اور جب گوشت میں یہ ثابت ہوچکا تو حسبِ قولِ ہدایہ "کھال بھی قربانی ہی کا جزء ہے" کھال کا بھی یہی حکم ہوگا کہ اس میں بھی تملیک ضروری نہ ہوگی۔ مسجد میں پانی نکالنے کے لئے اس کا ڈول بن سکتا ہے، القصہ ان لوگوں کا ہدایہ اور کافی وغیرہ سے استدلال ساقط ہے۔

www.alahazratnetwork.org

بقی انہ اذ لیس المراد الاول فای البواقی یراد وانما البینۃ علی من یدعی، نعم ان سألتنا التبرع، فنقول حدیث نبیشۃ الخیر الھذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ یھدینا الٰی مطلق الائتجار الحاصل بسائر وجوہ القرب، فلیکن المراد ھو المعنی الرابع، وھو الغالب فی الصدقات النافلۃ،

اب ایک رہ گیا، قربانی میں اگر صدقہ بمعنی اول مراد نہیں، تو بقیہ معانی میں سے کون سے معنی مراد ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری ذمہ داری نہیں ہے، ہمیں تو تملیک والے صدقہ کی نفی سے کام تھا، جب یہ مراد نہیں تو صدقہ اور جس معنی میں مراد لیا جائے ہمارا مقصد حاصل ہے، مگر تبرعاً ہم وہ بھی بتادیتے ہیں۔

عہ ای علی المفتی بہ من جواز وقف المنقول حیث تعورف وقد تعارف المسلمون وقف الدلو والرشا علی آبار المساجد اھ منہ قدس سرہ العزیز۔

یعنی مفتی بہ قول پر کہ منقول چیز کا وقف جائز ہے جب متعارف ہو اور بیشک مسلمانوں میں ڈول اور رسّی وغیرہ مساجد کے کنوؤں کے لئے مروج ہے اھ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

على ان قد بينا ان معنى المنع ليس ترك التصدق المامور به فانه غير المامور به هٰهنا رأسا بل المعنى قصد التمول المنهى عنه فى كل ما تقرب به الى المولٰى سبحٰنه وتعالٰى ، وهو لا يتحقق فى شئ من القرب ، فلا يضرنا عند التحقيق ارادة شئ من المعانى اصلا ، كما لا يخفى على من رزق العقل السليم والفهم المستقيم ، والله سبحٰنه بكل شئ عليم ، هذا وجه فى الجواب ، عن احتجاج هذا الفاضل المستطاب .

اقول ثانيا مبناه عن حصر السائغ فى الاوجه الثلٰثة ، ولا دليل يدل على الحصر ، وعدم الذكر ليس ذكر العدم ، وهذا الامام القدورى مقتصرا فى مختصره على شيئين التصدق وعمل آلة حيث قال ويتصدق بجلودها او يعمل منه آلة تستعمل فى البيت اھ[1] فترك التبدل بما يبقى ايضا ، افيظن كلامه هذا معارضا لكلام من ثلث ، وهذا المحقق الحلبى قال فى ملتقاه ، وهو من متون المذهب المعتمدة كما نص عليه العلامة الشامى ، يأكل من

حدیث حضرت نبیشہ ہذلی رضی اللہ تعالٰی عنہ میں ایتجار (کارِ ثواب) کا لفظ آیا ہے جو تمام کارِ خیر کو عام ہے ، تو چوتھے معنٰی جو عام طور سے صدقات نفلیہ مراد ہوتے ہیں وہی مراد لینا صحیح ہوگا۔

علاوہ ازیں ہمارا کہنا ہے کہ قربانی میں قصدِ تصدق کی ممانعت ہے ، نہیں قصد تمول کی ممانعت ہے ، تو جس قسم کے صدقہ کی نیت کرے قصد تمول نہیں پایا جائے گا ، اور صدقہ جائز ہوگا ، اس لئے صدقہ کی جو قسم بھی مراد لے لو ہمیں کوئی ضرر نہ ہوگا۔

مزید توضیح | جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں کہ اس عالم اہلسنت کی غلط فہمی کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ مصارف قربانی کی صرف تین جہتیں ہیں حالانکہ اس پر کوئی دلیل نہیں ، اگر کسی مصنف نے صرف تین ہی ذکر کیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زائد نہیں ، کہ عدم ذکر ، ذکرِ عدم وجود کو مستلزم نہیں ، امام قدوری نے تو اپنی مختصر میں دو ہی جہت کا ذکر کیا ، "کھال کا صدقہ کر دیا جائے یا گھریلو استعمال کے لئے کوئی چیز بنالی جائے" ۔ تو انھوں نے باقی رہنے والی چیز سے استبدال والی شق چھوڑ دی ، تو کیا ان کے کلام کو تین شق ذکر کرنے والوں کے کلام کے معارض سمجھا جائے ۔ حضرت ابراہیم حلبی نے فرمایا : "قربانی کا گوشت کھائے اور مالدار اور فقیر جس کو چاہے کھلائے ، اور صدقہ تہائی حصہ سے کم نہ کرے ۔"

---

[1] مختصر القدوری کتاب الاضحیۃ مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۹

لحم اضحیته ویطعم من شاء من غنی و فقیر، وندب ان لاینقص الصدقة عن الثلث اھ[1] فلم یذکر التبدل بالباقی فی مسئلة اللحم مع جوازہ قطعا علی المذھب الصحیح، وان اختیر ما صححه فی الظھیریة وغیرھا من جواز تبدل المأکول بالمأکول کاللحم بالحبوب واللبون وغیرہ بغیرہ کالجلد بالکتاب والجراب لاعکسه فی الصورتین، فقد ترک ھذا الوجه فی اللحم، وعلی کل فلم یحط بکل ماھو سائغ، ونظائر ذلك ان تتبعت اعیاك عدّھا کثرا واذا لاحصر فلا مساغ لان یقال اذا انتفی الاخیران تعین الاول وقد لوحنا ببعض من ھذا فی مطاوی کلامنا فی الوجه السابق۔

واقول ثالثا ان ابیتم الا الحصر فنبقوفی افلا یجوز اھداء غنی، و لیس من الثلثة، اولا یجوز الاعارة من فقیر اوملی ولیس منھا اولا یجوز البیع بالدراھم للتصدق ولیس البیع للتصدق عین التصدق، فاذا بقیت ھذہ فلیکن البیع بھا لاجل التقرب ایضا من البواقی۔

وبالجملة فلا دلیل یظھر علی عدم جواز البیع لاجل القرب ولا علی وجوب التملیك

تو انھوں نے بھی تبدیل بالباقی والی شق چھوڑ دی حالانکہ مذہب صحیح پر یہ جائز ہے، اور ظہیریہ میں تو گوشت کو ماکولات جیسے غلہ اور مغزیات کے ساتھ بدلنے کی بھی اجازت دی، اور جلد کو کتاب اور چمڑے کی تھیلی کے ساتھ، اس کا الٹا نہیں، تو ایک یہ صورت بھی متروک ہوگئی، تو قربانی میں جن جن امور کی اجازت ہے سب کا احاطہ نہیں کیا گیا ہے، اور جب حصر احاطہ نہیں تو یہ کہنا صحیح نہیں کہ جب دو قسمیں متحقق نہ ہوئیں تو تیسری متعین ہے۔

اسی طرح مالدار کو ہدیہ کرنا جائز اور فقیر کو عاریۃً دینا ناجائز ہے، یہ دونوں صورتیں بھی تو ان تینوں میں شامل نہیں، کیا صدقہ کی نیت سے دراہم کے بدلے بیع جائز نہیں حالانکہ بیع کرنا صدقہ کرنا نہیں ہے، تو جب اس کا رِثواب کے لئے بیع جائز تو دوسرے کا رِثواب کیلئے کیوں جائز نہ ہوگی۔

المختصر کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے کارِثواب کے لئے بیچنا منع ہو، اور اس کا تصدق بطور تملیک

---

[1] ملتقی الابحر کتاب الاضحیۃ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۲/۲۲۴

اذا فعل ذٰلك، بل الدليل ناطق بخلافه فان المانع انما هو قصد التمول وهذا بمعزل عنه، والمسوغ كما تبين بكلام المبينين قصد القربة وهذا، فلنقتصر على هذا القدر، حامدين لربنا في الورد والصدر، هذا ما ظهر لفهمي القاصر وفكري الفاتر، ومعاذ الله ان ابرئ نفسي من الخطأ والزلل واصر على رائي بعد وضوح الخلل وسبحٰن الله اليش انا واليش رأيي، وانما النقص بضاعتي والخطأ صناعتي، والجهل صفتي والعجز سمتي، فان اصبت فبتوفيق ربي، وله الحمد في كل اٰن وحين، وان اخطأت فبشؤم ذنبي، واسأل التوبة ارحم الراحمين، والحمد لله العزيز الوهاب، والصلاة والسلام على النبي الاواب واٰله وصحبه خير اٰل واصحاب، واذا انتهت الرسالة بحمد ذي الجلالة وددت ان اسميها بعلم لطيف، يكون علما على عامر التاليف، كما هو دأبي في جميع التصانيف وقد جاءت بحمد الله تعالٰى مختصرة، ومع الاختصار مطهرة مظهرة، فناسب ان اسميها "الصافية الموحية لحكم جلود الاضحية" وكان ذٰلك ضحوة الخميس لليلة بقيت من ذي القعدة الحرام سنة الف وثلثمائة وسبع من

ہونا ثابت ہو، اور جس چیز کو ممانعت پر دلیل قائم ہے، وُہ بیع بقصد تمول ہے، اور ان دونوں میں بون بعید ہے، اور قربانی کے اجزاء سے قصد تقرب جائز ہے، اور یہ بیع اسی لئے ہے، اس لئے اس کے جائز ہونے میں شبہہ نہیں۔

اب ہم اسی پر بس کرتے ہیں، اور ابتداءً وانتہاءً میں اپنے رب کی حمد کرتے ہیں، میں اپنے نفس کو خطا ولغزش سے بری نہیں گردانتا، اور خلل ظاہر ہونے کے بعد میں اپنی رائے پر اصرار بھی نہیں کرتا، سُبحان اللہ! میں کیا اور میری رائے کیا، نقصان ہی میری پُونجی ہے اور خطا شان بندگی، لاعلمی میری صفت اور عاجزی میرا نشان، اگر یہ ٹھیک ہو تو میرے رب کی توفیق سے ہے، اور اسی کے لئے ہر دم تعریف، اور غلط ہو تو میرے گناہوں کی بُرائی، میں اللہ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور اس کی حمد بجالاتا ہوں، اور اسی کی حمد پر یہ رسالہ ختم ہوا۔

اس کا ایک لطیف نام (جس سے میرے طریقہ کے مطابق کتاب کا سنہ تالیف بھی ظاہر ہو) کی تلاش ہُوئی تو اس کا نام

الصافية الموحية لحكم جلود الاضحية رکھا، اور یہ پنجشنبہ کے روز چاشت کے وقت ۲۹ ذوالحجہ ۱۳۰۷ھ میں ہوا، اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور ان کے

www.alahazratnetwork.org

هجرة المولی سید الانام افضل صلاة و اکمل سلام واجمل تحیة من الملك المنعام علیه وعلی آله وصحبه الکرام علی مر اللیالی والایام، والحمد لله ذی الجلال والاکرام

کتبه العبد المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه بمحمدٍ المصطفی النبی الامی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔

آل واصحاب پر ہزاروں سلام، جب تک رات دن گزرتے ہیں، والحمد للہ رب العٰلمین۔

مسئلہ ۲۹۴ از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم، مرسلہ محمد امام الدین صاحب ۱۵ صفر ۱۳۳۶ھ

دیہات میں قبل صلوٰۃ العید قربانی کرنا یا مرغ وغیرہ ذبح کرنا درست ہے یا نہیں، اور جزار بغیر پوست کش کو قربانی کے چمڑے کی قیمت مل سکتی ہے یا نہیں؛ اور میاں جی اور شاگرد جی بغیر طالب علم اس چمڑے کی قیمت کے مصرف ہو سکتے ہیں یا نہیں؛ اور اس قیمت کو مدرسہ و مسجد وغیرہ کے اسباب میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں؛ اور قربانی کرنے والا اپنے ہاتھ سے مال یعنی چمڑے کی قیمت تقسیم کر سکتا ہے یا نہیں؛

www.alahazratnetwork.org

الجواب

مرغ کی قربانی مکروہ و تشبہ بالمجوس ہے، نہ اس سے واجب اضحیہ ادا ہو سکتا ہے، اور جائز قربانی شرعی وہ صبح ہی کر سکتے ہیں کہ ان پر نماز عید نہیں، اجرتِ جزار میں اس کی قیمت دینا جائز نہیں کہ تمول ہے اور قربانی سے تمول ناجائز، اس چمڑے کا یہی حکم ہے جو اصل کا، کہ ادخار و اتجار دونوں جائز ہیں، خواہ اس کی مشک بنوالے یا کتابوں کی جلدیں، یا اُسے مسجد یا مدرسہ دینیہ اہلسنت میں دے دے، یا بہ نیت مصارفِ خیر بیچ کر اس کی قیمت مصرفِ خیر میں صرف کرے خواہ اپنے ہاتھوں سے یا اور کے ہاتھوں سے، ہاں اگر اپنے لئے اسی داموں بیچا تو وہ دام خبیث ہیں، اور ان کی سبیل تصدق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ۲۹۵ از سلون ضلع رائے بریلی مرسلہ محمد طٰہٰ صاحب ۴ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا ارشاد ہے علمائے کرام کا اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ قربانی کی رسّی و جھول صدقہ کرنا چاہیے، اور حسب ذیل حوالہ پیش کرتا ہے (۱) شرح وقایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الاحصار، بیان احکام الہدی (۲) عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ (۳) درمختار جلد اول، باب الہدی (۴) ہدایہ جلد اول، کتاب الحج، باب الہدی (۵) قدوری، باب الہدی (۶) تنقیح الضروری حاشیہ قدوری بکر کہتا ہے کہ قربانی کی رسّی و جھول صدقہ کرنے کی کتبِ فقہ میں کوئی دلیل نہیں، اور زید کے پیش کردہ حوالوں پر حسب ذیل اعتراض کرتا ہے:

اوّل شرح وقایہ و ہدایہ وغیرہ میں مسئلہ مبحوث عنہ کو باب الہدی میں بیان کیا ہے، حالانکہ یہ مسئلہ باب الاضحیہ سے تعلق رکھتا ہے، اس کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

دوم علی طریق التنزل یہ ثابت بھی ہو جائے تو لفظ خطام جس سے زید نے اپنا مدعا ثابت کیا ہے، تو کیا اس کے معنی کسی لغوی نے گراؤں یعنی رسّی کے بیان کئے ہیں، ابن اثیر ابو عبیدہ کسی نے تصریح کی ہے خطام کے معنی گراؤں کے ہیں۔

سوم کتاب عمدۃ الرعایہ نے خطام کے تصدق کرنے کے لئے ایک حدیث نقل کی ہے، اور کہا کہ اس حدیث کی بخاری اور مسلم نے تخریج کی ہے، تو کیا اس روایت سے خطام کے تصدق کا حکم ثابت ہوتا ہے، فقط تمام ہوا کلام بکر کا، بس دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا قول صحیح ہے یا نہیں؟ اور بکر کے اعتراضات کے جوابات کیا ہیں؟

الجواب

انقیاد شتر کے لئے دو طریقے معمول ہیں، ایک یہ کہ وسط بینی کے گوشت یا ایک طرف کے نتھنے میں سوراخ کر کے تانبے، چاندی، سونے کا حلقہ یا لکڑی یا بالوں کا بنا ہوا چھلا ڈالیں، اور مضبوط ڈور کا سرا اس میں اور دوسرے سرے میں رسّی یا خود اس میں رسّی باندھیں، اس حلقے کو بُرہ بضم موحدہ و فتح راے مخففہ، اور لکڑی کو خشاش بالکسر، اور فارسی میں مُہار بالفتح، اور بالوں کے چھلے کو عربی میں حزام، اور سب کو زمام بالکسر، نیز اس ڈور کو زمام اور اس رسّی کو کہ اس میں باندھی جاتی ہے مقود بالکسر، نیز اسے بھی عربی و فارسی میں زمام و مہار، اور مجموع کو ہندی میں نکیل کہتے ہیں، یہ اُس کے انقیاد کا اکمل طریقہ ہے، اور اکثر ناقہائے سواری میں یہی مستعمل ہے کہ بے اس کے انقیاد تام نہیں ہوتا، گرا دینے کا احتمال رہتا ہے، دوسرا یہ کہ رسّی کا حلقہ اس کے گلے میں قریب گوش بار کی طرح ڈال کر منہ پر ناک کے قریب اس کا پھندا دیتے ہیں، عربی میں اسے خطام بالکسر، اور ہندی میں مُہیر کہتے ہیں، نیز زمام بمعنی سوم بلکہ دوم بلکہ کبھی اوّل کو بھی خطام بولتے ہیں، تو خطام کے چار اطلاق ہوئے، مگر وہ رسّی کہ گائے بھینس بکری کے گلے میں باندھی جاتی ہے، اُسے خطام کوئی نہیں کہتا، نہ مادۂ خطام اُس کی مساعدت کرتا ہے کہ وہ خطم بمعنی بینی سے ماخوذ ہے۔ نہایہ ابن اثیر و مجمع البحار میں ہے،

خطام البعیر ان یوخذ حبل من لیف او شعر او قطن فیجعل فی احد طرفیہ حلقۃ، ثم یشد فیہ الطرف الآخر حتی یصیر کالحلقۃ ثم یقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمہ، واما ما یجعل

اونٹ کی خطام یہ ہے کہ کھجور کی چھال یا بالوں یا کاتی سے رسّی بنا کر اس کے ایک طرف حلقہ بنایا جائے پھر اس میں دوسرا کنارہ باندھا جائے تاکہ وہ حلقہ کی مثل ہو جائے، پھر اسے اونٹ کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جائے پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹ دیا جائے، اور وہ باریک رسّی جو

فی الانف دقیقا فھو الزمام[1]

ناک میں ڈالی جاتی ہے وہ زمام ہے۔ (ت)

فقہ باب ۲۳ فصل ۳۶ میں ہے،

الخطام الحبل یجعل فی طرفہ حلقۃ ویقلد البعیر ثم یثنی علی مخطمہ[2]۔

خطام وہ رسی ہے جس کے ایک طرف حلقہ بنا کر اونٹ کے گلے میں ہار کی طرح ڈالا جاتا ہے، پھر اس کو اونٹ کی ناک پر لپیٹا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے،

خطام البعیر معروف وسمی بذلک لانہ یقع علی خطمہ[3]۔

اونٹ کی مہار معروف چیز ہے اس کو خطام اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ناک پر لگائی جاتی ہے (ت)

تاج العروس میں ہے،

قال ابن شمیل ھو کل حبل یعلق فی حلق البعیر ثم یعقد علی انفہ کان من جلد او صوف او لیف او قنب[4]۔

ابن شمیل نے کہا خطام ہر اس رسی کو کہتے ہیں جسے اونٹ کے گلے میں لٹکایا جاتا ہے پھر اس کی ناک پر گرہ لگادی جاتی ہے چاہے وہ رسی چمڑے کی ہو یا اون کی ہو یا کھجور کی چھال کی ہو یا سن کی ہو۔ (ت)

www.alahazratnetwork.org

جامع الرموز میں ہے،

(خطامہ) ھو حبل یجعل فی عنق البعیر ویثنی علی انفہ[5]

(اس کی خطام) وہ رسی ہے جس کو اونٹ کی گردن میں ڈال کر اس کی ناک پر لپیٹ دیا جاتا ہے (ت)

قاموس میں ہے،

الخطم من الدابۃ مقدم انفھا وفمھا،

چارپائے کا خطم اس کی ناک اور منہ کے اگلے حصے کو

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۷۱
النہایۃ لابن اثیر باب الخاء " " المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا ریاض ۲/ ۵۰

[2]

[3] المصباح المنیر الخاء مع الطاء تحت لفظ خطم مصطفی البابی مصر ۱/ ۱۸۷

[4] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲

[5] جامع الرموز کتاب الحج فصل الاحصار مکتبہ اسلامیہ گنبد قاموس ایران ۱/ ۴۳۸

والخطام کل ما وضع فی انف البعیر لیقاد به[1]

کہتے ہیں، اور خطام اس شے کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے تاکہ اس کے ذریعے اونٹ کو کھینچا جاسکے۔ (ت)

تاج میں ہے، کذا فی المحکم[2] (محکم میں یوں ہی ہے۔ ت)۔ بحرالرائق میں ہے:

الخطام هو الزمام وهو ما یجعل فی انف البعیر[3]

خطام زمام ہی ہے اور یہ اس شئی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے۔ (ت)

درمختار میں ہے:

الخطام الحبل الذی یقاد به البعیر[4]

خطام وہ رسی ہے جس کے ذریعے سے اونٹ کو چلایا جاتا ہے۔ (ت)

مجمع البحار میں کرمانی سے ہے:

بخطامه[5] او بزمامه وهما بمعنی، والشك فی تعیینه وهو بکسر خاء خیط یشد فیه الحلقة السماة

(حدیث میں وارد ہونے والے الفاظ) اسکی خطام یا اس کی زمام دونوں ہم معنی ہیں، شک اس کی تعیین میں ہے، اور خطام خاء کے کسرہ کے

---

[5] ای فی حدیث البخاری فی کتاب العلم عن ابی بکرة رضی اللہ تعالٰی عنه ذکر النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم قعد علی بعیره وامسك انسان بخطامه او بزمامه۔ الحدیث ۱۲ منه قدس سره العزیز۔

یعنی امام بخاری نے کتاب العلم میں ابوبکرہ سے حدیث بیان کی ہے انھوں نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اونٹ پر بیٹھے اور ایک آدمی نے اونٹ کی نکیل کو تھام رکھا تھا، الحدیث، ۱۲ منہ قدس سرہ العزیز (ت)

---

[1] القاموس المحیط فصل الخاء من باب المیم مصطفی البابی مصر ۴/ ۱۰۹
[2] تاج العروس " " " دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۲۸۲
[3] بحرالرائق کتاب الحج باب الهدی ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۳/ ۴۲
[4] الدر الثمین
[5] صحیح البخاری کتاب العلم باب من قعد حیث ینتهی به المجلس قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۱۶

بالبرة، ویشد فی طرفه المقود[1]

ساتھ اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں برہ نامی حلقے کو باندھا جاتا ہے اور اس کے کنارے میں رسّی باندھی جاتی ہے۔ (ت)

نہایہ نیز مجمع میں ہے،

البرة حلقة تجعل فی لحم الانف، و ربما کانت من شعر[2]

برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور بسا اوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے (ت)

اسی میں شرح جامع الاصول للمصنف سے ہے،

حلقة یشد بها الزمام[3]

وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

نیز امام نووی سے ہے،

الزمام ما یجعل فی انف البعیر دقیقا و قیل ما یشد به رؤسها من حبل وسیر[4]

زمام اس باریک رسّی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے، اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی رسّی یا تسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے،

قال بعضهم الزمام فی الاصل الخیط الذی یشد فی البرة او فی الخشاش ثم یشد الیه المقود ثم سمی به المقود نفسه[5]

ان میں سے بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری کو کہتے ہیں جسے برہ (حلقہ) یا لکڑی میں باندھا جاتا ہے پھر اس میں مقود (رسّی) کو باندھا جاتا ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے (ت)

تاج العروس میں ہے،

الزمام هو الحبل الذی یجعل فی البرة والخشبة قال الجوهری او فی الخشاش

زمام اس رسّی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا جاتا ہے، جوہری نے کہا یا اس کو خشاش (لکڑی)

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۷۲
[2] " " " باب الباء مع الراء " " " ۱/ ۱۸۷
[3] " " " " " " " ۱/ ۱۸۷
[4] " " " باب الزاء مع المیم " " " ۲/ ۴۴۰
[5] المصباح المنیر الزاء مع المیم تحت "الزمام" مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

بالبرة، ویشد فی طرفہ المقود[1]

ساتھ اس دھاگے کو کہتے ہیں جس میں برہ نامی حلقے کو باندھا جاتا ہے اور اس کے کنارے میں رسّی باندھی جاتی ہے۔ (ت)

نہایہ نیز مجمع میں ہے،

البرة حلقة تجعل فی لحم الانف، و ربما کانت من شعر[2]

برہ وہ حلقہ ہے جو ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے اور بسا اوقات وہ بالوں کا ہوتا ہے (ت)

اسی میں شرح جامع الاصول لمصنفہ سے ہے،

حلقة یشد بها الزمام[3]

وہ ایک حلقہ ہے جس کے ساتھ زمام کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

نیز امام نووی سے ہے،

الزمام ما یجعل فی انف البعیر دقیقا و قیل ما یشد به رؤسها من حبل وسیر[4]

زمام اس باریک رسّی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے، اور کہا گیا ہے کہ وہ ایک ایسی رسّی یا تسمہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔ (ت)

مصباح منیر میں ہے،

www.alahazratnetwork.org

قال بعضهم الزمام فی الاصل الخیط الذی یشد فی البرة او فی الخشاش ثم یشد الیه المقود ثم سمی به المقود نفسه[5]

ان میں سے بعض نے کہا زمام اصل میں اس ڈوری کو کہتے ہیں جسے برہ (حلقہ) یا لکڑی میں باندھا جاتا ہے پھر اس میں مقود (رسّی) کو باندھا جاتا ہے پھر خود اس زمام کا نام مقود رکھا جاتا ہے (ت)

تاج العروس میں ہے،

الزمام هو الحبل الذی یجعل فی البرة والخشبة قال الجوهری او فی الخشاش

زمام اس رسّی کو کہتے ہیں جس کو حلقہ یا لکڑی میں ڈالا جاتا ہے، جوہری نے کہا یا اس کو خشاش (لکڑی)

---

[1] مجمع بحار الانوار باب الخاء مع الطاء مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۲/ ۷۲
[2] " " " باب الباء مع الراء " " " ۱/ ۱۸۷
[3] " " " " " " " ۱/ ۱۸۷
[4] " " " باب الزاء مع المیم " " " ۲/ ۴۴۰
[5] المصباح المنیر الزاء مع المیم تحت "الزمام" مصطفی البابی مصر ۱/ ۲۷۴

ثم یشد فی طرفہ المقود وقد یسمی المقود زماما[1]

میں ڈالا جاتا ہے پھر اس کے کنارے میں رسی باندھی جاتی ہے اور کبھی اس رسی کا نام زمام رکھا جاتا ہے (ت)

صراح میں ہے:

خشاش بالکسر چوب کہ در بینی شتر کنند و ہر چہ از مس باشد آں را برہ گویند، و آنچہ از موئے آں را خزامہ[2]

خشاش خا کے کسرے کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک میں ڈالی جاتی ہے، پیتل کی جو نکیل اونٹ کی ناک میں ڈالتے ہیں اس کو برہ کہتے ہیں اگر وہ بالوں کی ہو تو اسے خزامہ کہتے ہیں (ت)

اسی میں ہے: خطام بالکسر مہار[3] (خطام کسرہ کے ساتھ مہار۔ ت)، اسی میں ہے:

زمام بالکسر مہار، درشتہ کہ در چوب بینی شتر بندند و بر سر مہار بندند[4]

زمام کسرہ کے ساتھ مہار اور وہ دھاگہ جو اونٹ کی ناک میں ڈالی ہوئی لکڑی کے ساتھ باندھتے ہیں اور اس پر مہار باندھتے ہیں (ت)

برہان میں ہے:

مہار بالفتح چوبیکہ در بینی شتر کنند و ریسماں بر آں بندند[5]

مہار فتحہ کے ساتھ اس لکڑی کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک میں ڈال کر اس پر ڈوری باندھتے ہیں (ت)

قاموس میں ہے: الخزامۃ ککتابۃ للبرۃ[6] (خزامہ بروزن کتابت حلقہ کو کہتے ہیں۔ ت)

تاج میں ہے:

وھی حلقۃ من شعر تجعل فی وترۃ انفہ یشد بھا الزمام کما فی

اور وہ (خزامہ) بالوں کے اس حلقہ کو کہتے ہیں جس کو اونٹ کی ناک کے بانسہ میں ڈال کر اس کے ساتھ

---

[1] تاج العروس فصل الزاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/۳۲۸
[2] الصراح من الصحاح باب الشین فصل الخاء مطبع مجیدی کانپور ص ۲۵۷
[3] " " " باب المیم فصل الزاء " " ص ۴۶۸
[4] " " " " " " " ۴۷۵
[5] برہان
[6] القاموس المحیط باب المیم فصل الخاء مصطفی البابی مصر ۴/۱۰۶

الصحاح، وقال اللیث ان کانت من صفر فھی برۃ وان کانت من شعر فھی خزامۃ۔[1]

رسّی باندھی جاتی ہے جیسا کہ صحاح میں ہے۔ لیث نے کہا اگر وہ حلقہ پیتل کا ہو تو اس کو برہ اور اگر وہ بالوں کا ہے تو اس کو خزامہ کہا جاتا ہے (ت)

سنن ابی داؤد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما سے ہے:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اھدی عام الحدیبیۃ فی ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم جملا کان لابی جھل فی راسا، برۃ من فضۃ، وفی روایۃ من ذھب یغیظ بذلک المشرکین۔[2]

بیشک نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حدیبیہ والے سال قربانی کے لئے جو اونٹ روانہ فرمائے ان میں ایک اونٹ ابوجہل کا تھا جس کے سر (ناک) میں چاندی کا ایک چھلا تھا، ایک روایت ہے کہ سونے کا چھلا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مشرکوں کو جلانے کے لئے ایسا کیا تھا۔ (ت)

مرقاۃ میں ہے:

(فی راسہ) ای انفہ فان البرۃ حلقۃ من صفر ونحوہ تجعل فی لحم انف البعیر، وقال الاصمعی فی احد جانبی المنخرین لکن لما کان الانف من الراس قال فی راسہ علی الاتساع۔[3]

(اس کے سر میں) یعنی اس کی ناک میں، کیونکہ برہ پیتل یا اس جیسی کسی شے کے ایسے حلقہ کو کہتے ہیں جو اونٹ کی ناک کے گوشت میں ڈالا جاتا ہے، اور اصمعی نے کہا کہ وہ اونٹ کے نتھنوں کے ایک طرف ڈالا جاتا ہے لیکن ناک چونکہ سر ہی کا حصہ ہے اس لئے راوی حدیث نے بطور مجاز کہا کہ اس کے سر میں حلقہ تھا (ت)

مجمع البحار میں طیبی سے ہے: جعلہ فی الرأس اتساعا[4] (اس حلقہ کو سر میں قرار دینا بطور مجاز ہے۔ ت) سلمہ بن سحیم کی حدیث میں ہے:

---

[1] تاج العروس فصل الخاء من باب المیم دار احیاء التراث العربی بیروت ۸/ ۷۴ - ۲۷۳
[2] سنن ابی داؤد کتاب المناسک باب فی الھدی آفتاب عالم پریس لاہور ۱/ ۲۴۴
[3] مرقاۃ المفاتیح " الفصل الثانی المکتبۃ الحبیبیۃ کوئٹہ ۵/ ۵۲۸
[4] مجمع بحار الانوار باب الباء مع الراء مکتبہ دار الایمان المدینۃ المنورۃ ۱/ ۱۷۸

ان صاحبا لنا رکب ناقۃ لیست بمبراۃ فسقط فقال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم غرر بنفسہ[1]

ہمارا ایک ساتھی بغیر نکیل کے اونٹنی پر سوار ہوا اور گرگیا، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شخص نے خود کو ہلاکت میں ڈالا۔ (ت)

نہایہ میں ہے:

لیست بمبراۃ ای لیس فی انفہا برۃ یقال ابریت الناقۃ فہی مبراۃ[2]

"وہ اونٹنی مبراۃ نہیں تھی" کا معنی یہ ہے کہ اس کی ناک میں برہ (حلقہ) نہیں تھا، کہا جاتا ہے کہ میں نے اونٹنی کو حلقہ ڈالا تو وہ مبراۃ (حلقہ والی) ہوگئی (ت)

عمدۃ الرعایہ میں ہے کہ خطام کی تفسیر زمام گردن بعیر کی اگرچہ کلمات اہل فن سے جدا ہے، مگر معنی سوم زمام پر بجا ہے، اور اس سے ہر رسن گردن سمجھنا خطا ہے، اس میں زمام گردن نہیں بلکہ رسن اور زمام بے تعلق بینی صادق نہیں، حدیث کہ اس میں صحیح بخاری ومسلم کی طرف نسبت کی، جس میں حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا:

تصدق بجلالہا وبخطمہا، ولا تعط اجرۃ الجزار منہا[3]

قربانی کے جانور کی جھلوں اور باگوں کو صدقہ کردیا جائے اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت نہ دیا جائے۔ (ت)

www.alahazratnetwork.org

غلط صریح ہے، نہ صحیح بخاری میں اس کا کہیں نشان نہ صحیح مسلم میں، نہ بحیثیت الفاظ نہ بحیثیت مضمون۔ صحیح بخاری میں بدنۂ ہدی کی جھول تصدق کرنے کی حدیث پانچ جگہ روایت کی، باب[1] الجلال للبدن، باب[2] التصدق بجلود البدن، باب[3] یتصدق بجلال البدن، باب[4] الوکالۃ، باب[5] لایوتی الجزار من الہدی شیئا، اور صحیح مسلم میں ایک ہی جگہ پانچ سندوں سے ذکر کی۔ دسنوں جگہ نہ ان الفاظ کا پتہ ہے نہ اس پورے مضمون کا، موضع اول وخامس میں بخاری کے لفظ امیر المومنین مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے ہیں:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اتصدق بجلال البدن

رسول اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے قربانی کے ان جانوروں کی جھلوں اور چمڑوں کو

---

[1] النہایۃ لابن اثیر باب الباء مع الراء المکتبۃ الاسلامیۃ لصاحبہا ریاض ۱/۱۲۲

[2] " " " " " " ۱/۱۲۲

[3] عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح الوقایۃ کتاب الحج باب الہدی المکتبۃ الرشیدیۃ دہلی ۱/۳۶۴

التی نحرت و بجلودھا[1]

صدقہ کرنے کا حکم دیا جن کو ذبح کیا گیا تھا (ت)

دوم میں:

امرنی فقسمت لحومھا ثم امرنی فقسمت جلالھا وجلودھا[2]

رسول کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے قربانی کے جانوروں کا گوشت تقسیم کر دیا۔ پھر آپ نے مجھے حکم دیا تو میں نے ان کی جھلوں اور چمڑوں کو تقسیم کر دیا۔ (ت)

سوم میں:

ان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم امرہ ان یقوم علی بدنہ وان یقسم بدنہ کلھا لحومھا وجلودھا وجلالھا[3]

بیشک نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے انھیں حکم دیا کہ وہ قربانی کے جانوروں کے پاس کھڑے ہوجائیں اور اُن کا گوشت، جھل اور چمڑے سب تقسیم کردیں (ت)

چہارم میں:

اھدی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مائۃ بدنۃ فامرنی بلحومھا فقسمتھا ثم امرنی بجلالھا فقسمتھا ثم بجلودھا فقسمتھا[4]

نبی اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے قربانی کیلئے سو اونٹ بھیجے اور مجھے حکم دیا کہ میں ان کا گوشت تقسیم کروں تو میں نے کردیا، پھر مجھے ان کی جھلوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کردیا، پھر مجھے ان کے چمڑوں کو تقسیم کرنے کا حکم دیا تو میں نے کردیا (ت)

صحیح مسلم میں تین سندوں سے:

امرنی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان اقوم علی بدنہ وان اتصدق لحمھا و جلودھا واجلتھا[5]

رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا کہ میں قربانی کے پاس کھڑا ہوجاؤں اور ان کے گوشت، چمڑوں اور جھلوں کو تقسیم کردوں (ت)

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجلال للبدن قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۰
[2] " " باب لایعطی الجزار من الھدی شیئا قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۲
[3] " " " بالتصدق بجلود الھدی " " " ۱/ ۲۳۲
[4] " " " یتصدق بجلال البدن " " " ۱/ ۲۳۲
[5] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودھا وجلالھا " " " ۱/ ۴۲۳

اور دو سندوں سے مثل لفظ سوم بخاری وزاد فی المساکین[1] (یہ لفظ زیادہ کئے کہ مسکینوں میں تقسیم کروں۔ت) ان میں کہیں ذکر خطام نہیں، یہ مضمون صحیحین پر بیشی ہے، اور نسبت الفاظ میں غلطی یہ کہ صیغہ امر جس طرح عمدۃ الرعایہ میں مذکور صحیحین بلکہ کتب متداولۂ حدیث میں کہیں نہیں، جیسا کہ لامع وارشاد الساری وشرح مؤطا سے ظاہر۔ علامہ قسطلانی نے فرمایا:

قال صاحب الکواکب وفیہ انہ لایجوز بیع الجلال ولاجلود الھدایا والضحایا کما ھو ظاھر الحدیث اذ الامر حقیقۃ فی الوجوب اھ، وتعقبہ فی اللامع فقال فیہ نظر فذلک صیغۃ افعل لالفظ امر[2]۔

صاحب کواکب نے کہا اس میں یہ ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھولوں اور کھالوں کی بیع جائز نہیں جیسا کہ حدیث کا ظاہر ہے کیونکہ امر حقیقتاً وجوب کے لئے ہے اھ۔ اور لامع میں اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرمایا کہ اس میں نظر ہے اس لئے کہ جو امر وجوب میں حقیقت ہے وہ صیغۂ افعل ہے نہ کہ لفظ امر۔ (ت)

شرح علامہ زرقانی میں ہے:

www.alahazratnetwork.org

فیہ استحباب التجلیل والتصدق بذلک الجل، ولفظ امر لا یقتضی الوجوب لان ذلک فی صیغۃ افعل لالفظ امر[3] اھ، و رأیتنی کتبت علی ھامش الارشاد ما نصہ، اقول لیس قولہ امر الاحکایۃ امرہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الا ان یقال یمکن ان یکون حکایۃ من مثل علیک التصدق۔

اس میں قربانی کے جانوروں پر جھول ڈالنے اور اس جھل کو صدقہ کرنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے، اور لفظِ امر وجوب کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ وجوب کا متقاضی کو تو صیغۂ افعل ہے نہ کہ لفظِ امر اھ، مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے ارشاد کے حاشیہ پر لکھا جس کی عبارت یہ ہے اقول (میں کہتا ہوں) اس کا امر کہنا محض حکایت ہے امرِ رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مگر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے یہ حکایت ہو علیک بالتصدق (تجھ پر صدقہ لازم ہے۔ت) جیسے الفاظ سے (ت)

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلحوم الھدایا وجلودھا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۴۲۴

[2] ارشاد الساری شرح صحیح البخاری باب الجلال للبدن دار الکتاب العربی بیروت ۳/ ۲۲۲

[3] شرح الزرقانی علی موطا الامام مالک کتاب الحج المکتبۃ التجاریۃ الکبری القاھرہ ۲/ ۳۲۷

ذکر خطام کیلئے فقیر نے جتنی کتب حدیث اپنے پاس ہیں سب کی مراجعت چاہی، بارہ کتابیں دیکھی تھیں، پھر خیال آیا کہ درایہ امام حافظ الحدیث ابن حجر عسقلانی دیکھی جائے، اس میں ضرور اس سے تعرض فرمایا ہوگا، اُسے دیکھا تو انھوں نے صاف فرمایا:

لم ار فی شیٔ من طرقہ ذکر الخطام [1] — میں نے اس حدیث کے کسی طریق میں ذکرِ خطام نہ دیکھا۔

بالجملہ صحیحین کی طرف اس کی نسبت لفظاً و معنیً ہر طرح غلط ہے، ہاں ہدایہ باب الہدی میں حدیث انھیں الفاظ سے مذکور، اور کتاب الاضحیہ میں بلفظ:

تصدق بجلالہا وخطامہا ولا تعط اجر الجزار منہا شیئا [2] — قربانی کے جانوروں کی جھولوں اور باگوں کو صدقہ کر اور اس میں سے کچھ بھی قصاب کو بطور اجرت مت دے۔ (ت)

اسی طرح کافی امام نسفی باب الہدی میں یہی لفظ دوم ہیں، الا لفظۃ الاجر [3] (سوائے لفظ "اجر" کے۔ ت)، نیز بدائع امام ملک العلماء کتاب الاضحیہ میں، الا لفظۃ شیئا [4] (سوائے لفظ "شیئا" کے۔ ت)

www.alahazratnetwork.org

اقول تو حدیث ضرور کہیں مروی ہوئی، اور حافظ (ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ) کا اسے نہ دیکھنا نہ ہونے پر دلیل نہیں۔ امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں دو حدیثیں مذکور مشائخ ذکر کرکے فرمایا:

قصور نظرنا اخفاہما عنا [5] — ہماری نظر کے قاصر ہونے نے ان دونوں کو ہم سے مخفی رکھا۔ (ت)

یونہی حافظ الشان نے باوصف اس وسعت اطلاع کے نفی نہ فرمائی، یہ ائمہ کے ساتھ علمائے کرام کا ادب ہے بخلاف جہالِ زمانہ یعنی غیر مقلدین کہ کرمکِ سنگ سے بڑھ کر وقوف نہیں، اور ائمہ پر سلب مطلق کے دعوے، ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

---

[1] الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ کتاب الحج باب الہدی المکتبۃ الاثریۃ سانگلہ ہل ۲/ ۵۴
[2] الہدایۃ کتاب الاضحیۃ مطبع یوسفی لکھنؤ ۴/ ۴۴۸
[3] الکافی شرح الوافی
[4] بدائع الصنائع کتاب التضحیۃ فصل واما بیان ما یستحب الخ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۵/ ۸۱
[5] فتح القدیر

تو حدیث مذکور میں صدقۂ خطام کا عند اللہ حکم ہے مگر وہ حدیثاً و فقہاً صرف جلال و خطام شتران ہدی کے بارے میں ہے، قربانی کی گائے بکریوں کی جھولوں اور ان کے گلے کی رسیوں کا ذکر درکنار، جہاں تک نظر کی جاتی ہے شتران اضحیہ کے جلال و خطام کا بھی کہیں ذکر نہیں، اب رہا قیاس، وہ مجتہد سے خاص، اس کا کسے اختیار، اور دلالۃ النص اقول اس کی بھی گنجائش نہیں، نہ اضحیہ من کل الوجوہ معنی ہدی میں ہے، نہ یہ جھولیں اُن جلال سے نہ گلے کی رسیاں اُس خطام کے مثل۔

اوّل تو ظاہر کہ ہدی کے لئے محل خاص ہے یعنی حرم محترم اس کے غیر میں ہدی کو ذبح و نحر نہیں کرسکتے،

قال اللہ تعالٰی ثم محلّھا الی البیت العتیق[1]
وقال تعالٰی ھدیاً بالغ الکعبۃ[2]

اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا پھر ان (ہدی کے جانوروں) کا پہنچنا ہے اس آزاد گھر تک۔
اور اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ہدی ہو کعبہ تک پہنچتی۔ (ت)

اور قربانی ہر جگہ ہوسکتی ہے، تو ہدی میں بہ نسبت اضحیہ خصوصیت خاصہ ہے اگرچہ اصل مقصود یعنی تقرب بارادۃ دم میں مساوی ہیں، لہذا کیا مستبعد کہ اصل احتیاط متقرب بہ یعنی لحم و جلد میں حکم یکساں ہو اور زوائد و مضافات کی طرف جو سرایت صاحب خصوص میں ہوئی، اضاحی میں نہ ہو، ولہذا بدائع و ہدایہ و کافی وغیرہا میں حدیث ہدی سے دربارۂ لحم و جلد اضحیہ استناد کیا، اور جلال و خطام اضحیہ کا کسی نے ذکر نہ کیا، حالانکہ حدیث ہدی میں چاروں حکم موجود تھے، اضحیہ میں ان دو پر اقتصار اور ان دو کا ترک، اور اس ترک و اقتصار پر اتفاق کتب آخر کس لئے۔

دوم یہ کہ وہ جھولیں معمولی سردی وغیرہ کی جھولیں نہ تھیں جو اپنے موسم پر ہر پالے ہوئے جانور کیلئے بنائی جاتی ہیں اگرچہ وہ گاڑی میں جوتنے کے بیل ہوں، وہ خاص شتران ہدی کے لئے بنتیں، اور روانگی حرم کے وقت اُن پر ڈالی جاتی ہیں، اور اُن کے لئے ان کا بنانا سنت ہے، تقلید و اشعار کی طرح شعائر اللہ ہدی کی علامت ہوتی ہے، بدنۂ ہدی کے گلے میں نعلین وغیرہ یا بٹے ہوئے قلادے ڈالتے اور بالتخصیص اونٹوں پر قلادے کے ساتھ جھولیں بھی ڈالتے، اور اُن کے کوہان میں خفیف نیزہ مار کر خون نکالتے، یہ ان کے ہدی ہونے کی علامتیں تھیں۔

---

[1] القرآن الکریم ۲۲/ ۳۳
[2] " ۵/ ۹۵

علمائے کرام نے فرمایا، ان جھولوں کا اپنی حیثیت تمول کے مناسب ہونا مستحب ہے، ہدی بھیجنے والا جیسی استطاعت رکھتا ہو ویسی ہی بیش قیمت جھولیں بنائے کہ مساکین کا زیادہ نفع اور شعائر کی زیادہ تعظیم ہو۔ سیدنا عبداللہ بن عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہما ان پر بیش بہا کپڑوں کی جھولیں ڈالتے اور مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر اتار کر تہ کر کے رکھ چھوڑتے، عرفہ کے دن پھر پہناتے اور بعد نحر انھیں کعبہ معظمہ کا غلاف کرتے جب سے بیت مکرم کا غلاف مستقل تیار ہونے لگا انھیں مساکین پر تصدق کرتے۔

علماء فرماتے ہیں کہ راتوں کو یہ جھولیں اتار کر رکھ لی جائیں کہ کانٹوں سے ان میں کھونتا نہ لگے، ان میں سے کون سا حرف قربانی کی معمولی جھولوں پر صادق ہے کہ یہ اُن کے معنی میں ہوں۔

امام اجل ابوزکریا نووی قدس سرہ شرح صحیح مسلم میں زیر حدیث مذکور فرماتے ہیں:

فی ھذا الحدیث فوائد کثیرۃ، منھا استحباب سوق الھدی وانہ یتصدق بلحومھا وجلودھا وجلالھا وانھا تجلل واستحبوا ان یکون جلا حسنا، قال القاضی التجلیل سنۃ وھو عند العلماء مختص بالابل وھو مما اشتھر من عمل السلف قالوا ان یکون بعد الاشعار لئلا یتلطخ بالدم قالوا ویستحب ان تکون قیمتھا ونفاستھا بحسب حال المھدی، وکان بعض السلف یجلل بالوشی وبعضھم بالحبرۃ وبعضھم بالقباطی والملاحف والانمار، قال مالک اما الجلل فتنزع فی اللیل لئلا یخرقھا الشوک، قال واستحب ان

اس حدیث میں بہت سے فائدے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں قربانی کے جانور کو روانہ کرنے کا استحباب، اور یہ کہ قربانی کے جانوروں کے گوشت، چمڑوں اور جھولوں کو صدقہ کیا جائے، اور یہ کہ ان جانوروں کو جھل پہنائی جائے، اور مشائخ نے اس بات کو مستحب قرار دیا کہ وہ جھل عمدہ ہو۔ قاضی نے کہا کہ جھل پہنانا سنت ہے۔ اور علماء کے نزدیک وہ اونٹوں کے ساتھ مختص ہے، اور یہ اسلاف کا مشہور عمل ہے۔ مشائخ نے کہا کہ اشعار یعنی کوہان میں نیزہ مار کر خون نکالنے کے بعد جھل پہنائی جائے تاکہ وہ خون میں لتھڑ نہ جائے، نیز انھوں نے کہا کہ جھل کا قیمت وعمدگی میں قربانی روانہ کرنے والے کی حیثیت کے مطابق ہونا مستحب ہے۔ بعض اسلاف منقش کپڑوں، بعض یمنی چادروں، بعض مصر کے بنے ہوئے قیمتی کپڑوں، لحافوں اور عمدہ چادروں کی جھلیں پہنایا کرتے تھے۔ امام مالک نے فرمایا، جھلوں کو رات

www.alahazratnetwork.org

کانت الجلال مرتفعۃ ان لا یجللھا حتی یغدو الی عرفات ان کانت بثمن یسیر فمن حین یحرم یجلل[1] (ملخصاً)

کے وقت اتار لیا جائے تاکہ کانٹے انہیں پھاڑ نہ دیں، اور فرمایا مجھے یہ پسند ہے کہ اگر جھلیں گراں قیمت ہوں تو عرفہ کے دن عرفات کی طرف روانگی سے قبل نہ پہنائے اور اگر وہ کم قیمت والی ہوں تو احرام باندھتے وقت ہی پہنا دے (ملخصاً)۔ (ت)

امام علامہ عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

الجلال جمع جل وھو الذی یطرح علی ظھر الحیوان من الابل والفرس والحمار والبغل، وھذا من حیث العرف، و لکن العلماء قالوا ان التجلیل مختص بالابل من کساء و نحوھا، قال ابن بطال کان مالک وابوحنیفۃ و الشافعی یرون تجلیل البدن[2]

جلال جل کی جمع ہے، اور وہ اس شئی کو کہتے ہیں جو اونٹ، گھوڑے، گدھے اور خچر وغیرہ جانوروں کی پشت پر ڈالی جاتی ہے، یہ عرف کے اعتبار سے ہے، لیکن علماء نے فرمایا کہ کپڑے وغیرہ جھل پہنانا صرف اونٹ کے ساتھ مختص ہے، ابن بطال نے کہا کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالٰی ہدی کے جانوروں پر جھل ڈالنے کو جائز سمجھتے تھے۔ (ت)

www.alahazratnetwork.org

امام جلیل ابوالبرکات نسفی کافی شرح وافی میں فرماتے ہیں:

فان کانت بدنۃ قلدھا بمزادۃ او نعل والتقلید احب من التجلیل لان التقلید ذکر فی القراٰن قال اللہ تعالٰی ولا القلائد ولا ذکر للتجلیل فیہ، وان کان کلاھما ثابتا بالسنۃ لان ھدایا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کانت مقلدۃ مجللۃ، ولانہ قد تجلل البدنۃ لاعلی وجہ التقرب بخلاف التقلید[3]

اگر ہدی کا جانور (اونٹ یا گائے) ہو تو اس کو چمڑے یا نعل کا ہار پہنائے اور ہار پہنانا جھل پہنانے سے زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ ہار پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اللہ تعالٰی کا فرمان ہے ولا القلائد (اور نہ وہ جنہیں ہار ڈالے گئے) اور جھل پہنانے کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے اگرچہ دونوں سنت رسول صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے ثابت ہیں کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ہدی کے جانوروں کو ہار اور جھل پہنائے گئے تھے، اور اس لئے بھی کہ جھل کبھی بلانیت تقرب

[1] شرح صحیح مسلم للنووی مع صحیح مسلم کتاب الحج باب الصدقۃ بلوم الھدایا الخ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۴۲۳-۴۲۲
[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/۴۴، ۴۵
[3] الکافی شرح الوافی

پہنائے جاتے ہیں بخلاف بار پہنانے کے (کہ یہ بنیت تقرب ہی ہوتا ہے)۔ (ت)

مؤطا شریف میں ہے:

مالك عن نافع ان عبد الله بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما کان یجلل بدنة القباطی و الانماط والجلال، ثم یبعث بها الی الکعبة فیکسوها ایاها، مالك انه سأل عبد الله بن دینار ما کان عبد الله بن عمر یصنع بجلال بدنه حین کسیت الکعبة عن الکسوة، قال کان یتصدق بها[1]۔

حضرت امام مالک نے حضرت نافع سے روایت کیا کہ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما ہدی کے جانور کو مصری چادروں، اونی کپڑوں اور حُلّوں کی جھلیں پہناتے پھر ان جھلوں کو کعبہ شریف بھیج کر غلافِ کعبہ بناتے۔ امام مالک سے مروی ہے حضرت عبداللہ بن دینار سے پوچھا گیا کہ جب کعبہ شریف کو مستقل کپڑے کا غلاف پہنایا جانے لگا تو حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنے قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو کیا کرتے تھے، تو انھوں نے کہا وہ ان کو صدقہ کر دیتے تھے۔ (ت)

ابن المنذر نے بطریق اسامہ بن زید نافع سے روایت کی،

ان بن عمر رضی الله تعالٰی عنهما کان یجلل بدنه الانماط والبرود والحبر حتی یخرج من المدینة ینزعها فیطویها، حتی یکون یوم عرفة فیلبسها ایاها حتی ینحرها ثم یتصدق بها، قال نافع وربما دفعها الی بنی شیبة[2]۔

بیشک حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما اپنے ہدی کے جانوروں کو اونی کپڑوں، دھاری دار اور منقش یمنی چادروں کی جھلیں پہناتے تھے یہاں تک کہ وہ جانور جب مدینہ منورہ سے نکلتے تو آپ ان جھلوں کو اتار لیتے اور لپیٹ کر رکھ دیتے، جب عرفہ کا دن آتا پھر وہ جھلیں جانوروں کو پہنا دیتے، جب انھیں ذبح فرماتے پھر جھلیں اتار لیتے، بعد ازاں ان کو صدقہ کر دیتے۔ حضرت نافع نے کہا کہ بعض اوقات بنی شیبہ کی طرف بھیج دیتے۔ (ت)

اقول اور اس پر ایک دلیل واضح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حجۃ الوداع شریف

---

[1] مؤطا الامام مالک کتاب الحج باب العمل فی الهدی حین یساق میر محمد کتب خانہ کراچی ص ۴۰۰

[2] شرح الزرقانی علی المؤطا بحوالہ ابن المنذر " " دار المعرفۃ بیروت ۲/۳۲۷

فتح الباری بحوالہ ابن المنذر کتاب المناسک باب الجلال للبدن " " ۳/۴۳۹

میں سو اونٹ ہدی بھیجے، ان پر جھولیں تھیں کہ بحکم اقدس بعد نحر تصدق کی گئیں کما تقدم عن صحیح البخاری (جیسا کہ صحیح بخاری سے گزرا ـــــ ت) حجۃ الوداع شریف کھلی بہار کے موسم میں تھا، فقیر نے حساب کیا ۹ ذی الحجہ سنہ ہجریہ روز جمعہ کو چھٹی مارچ[1] سنہ ۶۳۲ء تھی، ولہذا علماء اسے ماہ تحویل حمل میں بتاتے ہیں۔ صحیح بخاری میں خطبۂ حجۃ الوداع ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دہم ذی الحجہ کو ارشاد فرمایا،

الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السمٰوٰت والارض، وفیہ قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ای شھر ھذا قلنا اللہ و رسولہ اعلم، قال الیس ذوالحجۃ، قال فای یوم ھذا، قلنا اللہ ورسولہ اعلم، قال الیس یوم النحر[1]

زمانہ اس دن کی ہیئت پر گردش کر رہا ہے جس دن اللہ تعالٰی نے زمین و آسمان کو پیدا فرمایا تھا، اسی میں رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے، ہم (صحابہ) نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کونسا دن ہے، ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ یوم النحر نہیں ہے۔ (ت)

www.alahazratnetwork.org

امام ابن حجر نے فتح الباری کتاب بدء الخلق میں، پھر امام قسطلانی نے ارشاد الساری میں نقل کیا کہ یہ ارشاد اقدس تحویل حمل کے مہینے میں تھا،

حیث قال زعم یوسف بن عبد الملک فی کتابہ تفضیل الازمنۃ ان ھذہ المقالۃ صدرت من النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فی شھر مارس، وھو اذار

جہاں فرمایا کہ یوسف بن عبد الملک نے اپنی کتاب تفضیل الازمنہ میں کہا ہے بیشک رسول اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی یہ گفتگو مارچ کے مہینے میں صادر ہوئی جس کا نام رومی میں اذار اور

---

[1] یعنی اس وقت کی تعبیر میں، ورنہ آغاز سن عیسوی کے حساب دسویں مارچ تھی، جیسا کہ ہم نے اپنے ایک رسالہ متعلقہ "تحقیق سال عیسوی" میں ثابت کیا ۱۲ منہ قدس سرہٗ

---

[1] صحیح البخاری کتاب المغازی باب حجۃ الوداع قدیمی کتب خانہ کراچی ۲/ ۶۳۲

بالرومیة وھو برمھات بالقبطیة و فیہ یستوی اللیل والنھار عند حلول الشمس برج الحمل[1]

قبطی میں برمہات ہے، اور اس مہینے میں سورج کے برج حمل میں حلول کرنے کے وقت رات اور دن برابر ہوتے ہیں۔ (ت)

اقول مراد یہ ہے کہ اُس مہینے میں تحویل حمل ہوتی ہے نہ یہ کہ اس دن تحویل حمل تھی، ہم نے زیج الغ بیگی سلطانی

عہ مطلوب ۱۰۸۰ھ کی تقویم ہے، لہذا جدول سالہائے مبسوطہ ناقصہ سے دو سال تلاش کیا کہ ۱۰ کم کرکے ۳۰ پر صحیح منقسم ہو وہ ۱۰۵۰ھ تھا، طول سمرقند مط کو طول حرم محترم عرجہ سے مابین طولین الحہ او حاصل تفریق ۴۸۰

| | | |

اور زیج[1] امجد بہادر خانی، دو زیجوں سے نصف النہار حقیقی مکہ معظمہ دہم ذی الحجہ ۱۰ سنہ ہجریہ مطابق یازدہم[2] ذی الحجہ وسطیہ روز شنبہ کی تقویم شمس نکالی، دونوں سے حوت کے اکیسویں درجے میں آئی اول سے حوت کے بیس درجے سینتیس دقیقے انتالیس ثانیے، دوم سے بیس درجے چھتیس دقیقے پچاس ثانیے، بلاشبہہ اس تقویم کا موسم ان ملکوں خصوصاً مکہ معظمہ اور اس کے قریب العرض شہروں میں نہایت معتدل موسم ہوتا ہے، نہ رات کو برف نہ دن کو لُو، نہ برسات کی مکھیاں، تو جن حاجات کے لئے جھولیں ڈالتے ہیں

---

[1] ۱۲۵۱ — ۱۰ = ۱۲۴۱ فاضل بر تصانیف سی ۱۱ وتضایف ۱۲۳۰ + ۳۰ = ۱۲۶۰

[2] خیال ایسا ہی تھا کہ اس مہینہ میں تاریخ وسطی، ہلال سے ایک مقدم ہے استخراج تقویمات کے بعد دیکھا تو نہ مہینہ مطابقت پر آیا، نہ یہ تقویم ۱۱ ہی ذی الحجہ کی ہوئی، بہرحال مطلوب حاصل ہے کہ ۱۰ کی تقویم ایک درجہ کم حوت کے بیسویں ہی درجہ میں رہی۔ منہ قدس سرہٗ

www.alahazratnetwork.org

	ج	وسط					ج	اوج				
+ بازائے ۱۲۰۰	ح	د	م	لو	لط		با	لط	مہ	ی	ط	
۶۰	ب	لو	حز	ہا	مط		نط	.	مہ	ل		
بازائے ۱۱ سال متصاعداً	ہ	لح	ل	سر	ح		ہا	ک	لح	نب	نط	
بتفریق آن ازیں بہر عزہ	و	ما	نب	لج	س		ح	ی	مد	ح	لج	
سنہ ۱۰	با	لج	لط	کا	لط		نط	قہ	نہ	مط		
+ ذی الحجہ	ی	ک	ک	ر	لح		ند	مو				
+ ۱۱ یوم ناقص	ط	نا	لح	لح			ا	ما				

مابین الطومین ستہ ندر

	ء	نۃ	مد				ف	لط	ما	سہ	سر	
	ب	لح	ء				ش	ما	لح	ما	سر	لد
	ی											
بازائے ایں وتعدیل ایام وتحمیح ر												
حصہ اش از وسط لونہ لح	ما	لح	ما	ا	ا		ح	لح	حز	ہ	سر	
+ حصہ تعدیل ایام زائد				سو	لح				مرکز			
تعدیل المرکز	ما	لح	ما	سر	لد		لہ	لح	مہ			
× وسط				آہ	نہ	لب	لو	مط	لد			
تقویم	ما	لح	ما	سر	لد		مط	ح				
	ما	ط	لو	مط	لد		نہ					

فرق بین ۱۲ منہ قدس سرہ

اُن کا اصلاً نام ونشان نہ تھا، لاجرم یہ جھولیں وُہ نہ تھیں بلکہ خاص تعظیم شعائر اللہ کے لئے تھیں، تو معمولی جھولیں کسی طرح ان کے معنی میں نہیں۔

سوم یوں کہ خطام ہدی وہ شئی ہے کہ اُسے سبیل اللہ میں لے جاتی اور حرم محترم میں پہنچاتی ہے، تو قربانی کی رسّیاں اس کے برابر نہیں ہوسکتیں، اور گائے بھینس کی جھولوں رسّیوں میں اور بھی فرق ہے، شتر نحر کیا جاتا ہے، اس کا ایک پاؤں باندھ کر تین پاؤں سے کھڑا رکھ کر سینہ پر نیزہ مارتے ہیں، جل وخطام دونوں وقت نحر اس سے جُدا کرنے کی حاجت نہیں، گائے بھینس لٹا کر ذبح کی جاتی ہیں، اُس وقت اُن کی رسّی کھول لیتے ہیں، اور اگر جھول تھی وُہ بھی اتار لیتے ہیں تو وقت تقرب الی اللہ رسّی اور جھول اُن کے بدن سے جُدا ہوتی ہیں اور شتر کے بدن سے متصل تو یہ زیر تقرب آتی ہیں، اور وُہ نہیں، گرباوصف انفصال بھی حکم تصدق سرایت کرے تو اُس کھونٹے کے بھی تصدق کا حکم ہو جس سے وہ جانور بندھا تھا، اور اُس ناند اور طشت کا بھی جس میں اُسے کھانا پانی دیا گیا تھا، بلکہ اُس مکان کا بھی جس میں وہ بندھا تھا، اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ عمدۃ القاری وفتح الباری شروح صحیح بخاری وغیرہما میں تصدق جلال ہدی کی یہ وجہ نقل فرمائی کہ اُس پر اہلال لوجہ اللہ واقع ہوا،

www.alahazratnetwork.org

حیث قالوا قال المهلب ليس التصدق بجلال البدن فرضا وانما صنع ذلك ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما لانه اراد ان لایرجع فی شئ اهل به لله ولا فی شئ اضیف الیه[1]

جہاں انھوں نے فرمایا مہلب نے کہا ہے کہ قربانی کے جانوروں کی جھلوں کو صدقہ کرنا فرض نہیں، سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تو محض اس لئے ایسا کہا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے لئے ذبح کئے ہوئے اور اس کی طرف منسوب کئے ہوئے جانوروں کی کسی شئی کی طرف رجوع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ (ت)

اس اہلال سے اگر تلبیہ مراد ہو جب تو ظاہر کہ قربانی پر لبیک کہاں، اور اگر تکبیر وقت نحر مراد ہو یہ بھی اُن اشیاء کو شامل نہ ہوگا جو وقتِ نحر و ذبح اس کے بدن پر نہ تھیں۔

اقول اور اول اولیٰ ہے کہ حکم جل وخطام کی نسبت آیا، قماط جس سے اونٹ کا ایک پاؤں باندھتے ہیں اور حجۃ الوداع شریف میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سَو کے سَو اونٹ یوں ہی نحر فرمائے، ۶۳ بدستِ انور، اور ۳۷ بدست امیر المومنین حیدر، ان رسّیوں کے تصدق کا حکم کہیں نہ آیا،

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب المناسک باب الجلال للبدن ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/۴۵
فتح الباری " " " " " " دارالمعرفۃ بیروت ۳/۴۳۹

حالانکہ ضرور وقتِ نحر بُدنوں کے بدن پر تھیں، بلکہ وہی طریقہ مسنونہ نحر کی ضامن ہوئیں۔

صحیحین میں زیاد بن جبیر سے ہے:

رأیت ابن عمر اتی علی رجل قد اناخ بدنۃ ینحرھا قال ابعثھا قیاما مقیدۃ سنۃ محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم[1]

میں نے ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما کو دیکھا آپ ایک ایسے مرد کے پاس آئے جو اپنے اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا، انھوں نے فرمایا اس کو کھڑا کرکے باندھو یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی سنت ہے۔ (ت)

عمدۃ القاری میں ہے:

مقیدۃ معناہ معقولۃ برجل وھی قائمۃ علی الثلاث[2]

مقیدہ کا معنٰی ہے کہ رسّی سے اس کا ایک پاؤں باندھا ہوا ہو اور وہ تین پاؤں پر کھڑا ہو۔ (ت)

بالجملہ اگر کوئی اپنا گھر تصدق کردے اور اس پر قادر ہو، ممانعت نہیں، کلام اس میں ہے کہ قربانی کی جھولیں رسیاں تصدق کرنے کا حکم ہے، اس کا کہیں ثبوت نہیں، نہ حدیث میں نہ فقہ میں، ومن ادعی فعلیہ البیان (جو دعوٰی کرے دلیل بیان کرنا اس پر لازم ہے۔ ت) ولہذا آج تک مسلمانوں میں کہیں اس کا رواج مسموع نہیں، البتہ اگر کوئی شخص تعظیم ضحایا کے لئے اُن پر جھولیں ڈالے اور انھیں حسبِ حیثیت مزین وبیش بہا کرے، اور اُس سے شعائرِ اسلام کی زینت اور فقرائے مسلمین کی منفعت چاہے تو ضرور اُسے ان جھولوں کے تصدق کا حکم دیا جائے گا، اور اُس سے باز رہنا اُسے شنیع ہوگا کہ اللہ عزوجل سے وعدہ کرکے رجوع نہ ہو، کما بینا فی فتاوٰنا وباللہ التوفیق (جیسا کہ ہم نے اپنے فتاوٰی میں بیان کیا اور توفیق اللہ تعالٰی کے ساتھ۔ ت) واللہ تعالٰی اعلم۔

---

[1] صحیح البخاری کتاب المناسک باب نحر الابل المقیدۃ قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/ ۲۳۱
صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب نحر الابل قیاما معقولۃ " " ۱/ ۴۲۴

[2] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری کتاب الحج باب نحر الابل المقیدۃ ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ بیروت ۱۰/ ۵۰